بسم اللہ الرحمن الرحیم

نکاح وطلاق

اور

بعض سماجی مسائل

حضرت مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی

بانی و مہتمم جامعہ ربانی منورواشریف

شائع کردہ

مفتی ظفیر الدین اکیڈمی

جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار الہند

تفصیلات

نام کتاب: نکاح وطلاق اور بعض سماجی مسائل

مصنف : حضرت مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی

ناشر: مفتی ظفیر الدین اکیڈمی، جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار

سن اشاعت: محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۷ء

صفحات: ۸۴

قیمت: ۳۵ روپے

ملنے کے پتے

☆مکتبہ جامعہ ربانی منورواشریف، ضلع سمستی پور بہار انڈیا

☆مکتبہ الامام، سی 212، شاہین باغ، ابوالفضل انکلیو پارٹ 2، اوکھلا، جامعہ نگر نئی دہلی 25۔

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

نکاح سے خاندان بنتا ہے اور طلاق سے اجڑتا ہے، نکاح کسی خاندان سے وابستگی کا نام ہے اور طلاق اس سے علٰحدگی کا نام، نکاح سے رشتوں کو استحکام ملتا ہے تو طلاق سے رشتے متزلزل ہوتے ہیں، اسی لئے نکاح جتنی بڑی نعمت ہے طلاق اتنی ہی بڑی مصیبت، نکاح جس قدر اللہ کو پسند ہے، طلاق اسی قدر ناپسند، نکاح کی بے پناہ ترغیب دی گئی ہے، اس کے فضائل گنوائے گئے ہیں، اس کو نبیوں کی سنت قرار دیا گیا، اس کے برعکس طلاق سے ہر ممکن روکا گیا ہے، اس کو شیطانی عمل قرار دیا گیا، جس سے عرش رحمن کے پائے ہل جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

یہ نکاح و طلاق کے مسائل پر غور کرنے کا ایک پہلو ہے۔۔۔۔۔۔

دوسرا زاویۂ نظر

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ نکاح ہو یا طلاق، دونوں ضرورت کی پیداوار ہیں، نکاح بھی زندگی کی ایک ضرورت ہے اور طلاق بھی، جس طرح بے ضرورت نکاح بے معنٰی ہے اسی طرح بے ضرورت طلاق بھی سخت گناہ، ضرورت کے وقت جس طرح نکاح ایک بے حد مطلوب چیز ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت طلاق بھی مصیبت کے بجائے بڑی نعمت ثابت ہوتی ہے ۔۔۔۔۔عزت و عصمت کی حفاظت، رشتوں کے استحکام اور خاندان کی توسیع کے لئے نکاح کی ضرورت ہے، تو ذہنی ناموافقت، زندگی کی گھٹن اور باہمی اختلافات سے بچنے کے لئے طلاق ایک

آزمودہ نسخۂ کیمیا ہے ، روتی ، بلکتی اور سسکتی زندگیسے نکل کر کسی بہتر متبادل تک پہونچنے کا اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں ، رشتوں کے ٹوٹنے کی چبھن سہہ لینا اذیت ناک زندگی اور خودکشی کی موت سے بہتر ہے ،۔۔۔۔

تیسرا زاویۂ خیال

نکاح اگر زندگی ہے تو طلاق اس کی موت ، زندگی قبول کی ہے تو موت کو بھی گلے لگانے کے لئے تیار رہنا چاہئے ، زندگی اور موت ، نکاح اور طلاق ایک ہی سکے کے دورخ ہیں ، ہر آغاز کا جس طرح اختتام ہوتا ہے اسی طرح ازدواجی زندگی کے آغاز کا نام نکاح اور اس کے اختتام کا نام طلاق ہے ، آغاز اگر عزیز ہے تو اختتام سے وحشت کیوں ؟۔۔۔۔۔ہاں اس کے کچھ بنیادی قواعد وضوابط ہیں ، جن کو برتنا ضروری ہے ، بے قاعدہ نہ آغاز اچھا ہے اور نہ اختتام ،۔۔۔۔۔زندگی ایک پھول ہے اور پھول اکثر کانٹوں سے ہم رشتہ ہوتے ہیں ، انہی کانٹوں کے درمیان پھولوں کی جستجو کا نام زندگی ہے ، پھولوں کی تلاش کرنے والے کانٹوں سے فرار اختیار نہیں کرسکتے ، خار بھی کبھی گلوں کے لئے زینت بن جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

گل حیات کے کھلنے اور مچلنے کا نام شادی ہے اور اس کے مرجھا جانے کا نام طلاق ہے۔۔۔۔اس دنیا میں کوئی ایسا پھول پیدا نہیں ہوا جو سدا بہار رہا ہو ، پھول کی مکمل داستان کھلنے اور مرجھانے سے عبارت ہے ، ایک حالت پر رہنے والی چیز پھول نہیں بلکہ کانٹے ہیں ، اگر ہم زندگی کو پھول تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں اس کے

مر جھانے لئے بھی منتظر رہنا چاہئے، نکاح زندگی کو پھولوں سے ہم رشتہ کرنے کا نام ہے، بساط حیات میں کانٹے بونے کا نام نہیں۔۔۔۔۔۔اسلام کا نظام نکاح وطلاق اس مقدس رشتہ کو پھولوں کی معنویت بخشتا ہے، جہاں قانون نکاح کے ساتھ قانون طلاق بھی موجود ہے، اگر کسی نظام حیات اور قانونی ڈھانچے میں نکاح کے ساتھ طلاق کی شق موجود نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ نکاح اس کے نزدیک زندگی کو پھول سے ہم رشتہ کرنے کا نہیں بلکہ زندگی میں کانٹے بونے کا نام ہے، اس لئے کہ سدا قائم رہنے والی چیز پھول نہیں، کانٹے ہیں۔۔۔۔۔۔

نکاح ایک معاہدہ ہے اور طلاق اس کی تنسیخ

نکاح وطلاق کے باب میں نظر وفکر کی ایک اور جہت بھی ہے، نکاح دو افراد یا خاندانوں کے درمیان ہونے والے معاہدہ (کنٹراکٹ) کا نام ہے، اسی معاہدے کو توڑ دینے کا نام طلاق ہے، جس طرح دو شخص اور خاندان باہم معاہدہ کرنے کے لئے آزاد ہیں، اسی طرح ان کو نکلنے کے لئے بھی آزاد رہنا چاہئے، دنیا میں کوئی ایسا معاہدہ نہیں جو قابل تنسیخ نہ ہو، اٹوٹ اور دائمی معاہدے دنیا کی تاریخ میں کبھی وجود میں نہیں آئے، طویل المیعاد اور قلیل المیعاد کی تقسیم تو ممکن ہیں لیکن بہر حال ہر معاہدہ کی ایک عمر ضرور ہوتی ہے، یہ کیا بات ہوئی کہ معاہدہ پر تو راضی ہیں مگر اس کو ختم کرنے کے لئے راضی نہیں،۔۔۔۔۔۔ہر معاہدہ کچھ مقاصد اور مصالح

کے تحت وجود میں آتا ہے، اگر وہ معاہدہ ان مصالح اور مقاصد کے حصول میں ناکام ثابت ہو تو دنیا کا ہر نظام تمدن اس کو قابل تنسیخ قرار دیتا ہے،۔۔۔۔۔

نکاح بھی زندگی کا ایک اہم ترین معاہدہ ہے، جو دو شخصوں یا خاندانوں کے درمیان مقررہ اغراض ومقاصد کے تحت مخصوص مجلس میں مخصوص طریق پر وجود میں آتا ہے ،اور باہم دونوں افراد بلکہ اکثر دونوں کے خاندانوں کی لمبی مشاورت، تبادلۂ خیال اور غور وخوض کے بعد انجام دیا جاتا ہے، تاکہ مستقبل کے خدشات اور اندیشوں کو کم سے کم کیا جاسکے ،اور اکثر اس قسم کی احتیاطی پیش بندیاں مفید ہی ثابت ہوتی ہیں، لیکن کبھی نکاح کے بعد تجربہ اس کے برعکس بھی ہوتا، اور فکر وخیال کی ناموافقت یا اتفاقی اسباب کی بناپر باہم اختلافات رونما ہو جاتے ہیں، شریعت میں ایسے مواقع پر مرد کو بصیرت مندانہ حکمت عملی اور بالغانہ شعور سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے، اور اگر معاملہ تنہا میاں بیوی سے نہ سلجھے تو دونوں کے خاندانوں کو بھی مداخلت کی اجازت دی گئی ہے، لیکن جب خاندانی سطح پر بھی مذاکرات کے باوجود معاملہ حل نہ ہو تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جن امیدوں پر نکاح کا یہ معاہدہ عمل میں آیا تھا، آئندہ زندگی میں ن کا پورا ہونا ممکن نظر نہیں آتا، اس لئے اب اس بے نتیجہ معاہدہ کو باقی رکھنا دانشمندی نہیں ہے، اسی انفساخ معاہدہ کا نام طلاق ہے،۔۔۔۔۔بتایئے اس میں کیا قباحت ہے؟

مرد معاہدۂ نکاح کی تنسیخ کا تنہا مجاز ہے

البتہ یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اس عقد (معاہدہ) نکاح کا محرک چونکہ مرد ہوتا ہے، رشتہ کی سلسلہ جنبانی بھی عموماً مرد کی جانب سے ہوتی ہے، عورتوں پر فطری حیا کی بنیاد پر اس معاملے میں اقدامات کرنے کی ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے ،مرد ہی اس معاہدہ کا مرکزی کردار ہوتا ہے، اور وہی اپنے معیار پر رشتہ کو تلاش کرتا ہے ،اور معاملے کو آگے بڑھاتا ہے، اس لئے آئندہ بھی اس معاہدے میں اس کی حیثیت مرکزی ہوتی ہے، اور اگر اسے محسوس ہو کہ عورت اس عقد میں اس کے مطلوبہ معیار کو پورا نہیں کررہی ہے، اور افہام و تفہیم کی تمامتر کوششوں کے باوجود وہ مطلوبہ راستے پر نہیں آرہی ہے،تو دستور معاہدہ کے مطابق مرد اپنے پارٹنر (عورت) کو معاملہ سے خارج کرسکتاہے اور بحیثیت بانی معاہدہ اس باب میں وہ بااختیار ہے ،اس لئے اپنے پارٹنر سے اسے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے ،۔۔۔۔جس طرح کہ ایک شخص ایک مالیاتی کمپنی قائم کرتا ہے ،اوراپنے مخصوص معیار اور مقاصد کے تحت اس میں لوگوں کو شرکت کی دعوت دیتاہے ،اور پھر چند لوگوں کی شراکت سے ایک کمپنی وجود میں آتی ہے، لیکن اگر اس شخص کو(بحیثیت رکن اول یا مرکزی کردار) کسی خاص پارٹنر کے بارے میں احساس ہو کہ وہ معاہدہ کی پاسداری نہیں کررہاہے ،اور ابتدائی تنبیہ و تفہیم کے باوجود وہ اچھاشریک ثابت نہیں ہورہاہے،تو وہ یک طرفہ طور پر اس کی شرکت ختم

کرنے کا مجاز ہوتا ہے ،اور کمپنی میں لگا ہوا اس کا اثاثہ حسب تفصیل معاہدہ قابل واپسی ہوتا ہے اور اس انفساخ عقد کی اس کو اطلاع دے دی جاتی ہے ، دنیا میں اس قسم کے کسی معاہداتی نظام میں ایسے موقعہ پر شریک کی مرضی مؤثر نہیں ہوتی ، بلکہ پالیسی ساز شخصیت کی مرضی ہی اصل حیثیت رکھتی ہے۔۔۔۔۔۔اس لئے کہ کبھی ایک شخص کی مرضی پوری کمپنی کے لئے ضرر رساں ثابت ہوتی ہے،۔۔۔۔۔۔۔

اسی طرح ازدواجی زندگی بھی ایک معاہدہ ہے،اس میں بھی انفساخ عقد کے لئے مرد کو عورت کی مرضی جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

عورت کو بھی انفساخ عقد کا حق حاصل ہے

رہی یہ بات کہ کبھی انفساخ عقد کی ضرورت مرد کے بجائے عورت بھی محسوس کرسکتی ہے ،اور اسے لگ سکتا ہے کہ اس مرد کے ساتھ اس کی زندگی پرسکون نہیں گذرسکتی ، لیکن مرد بحیثیت بانی معاہدہ ،اس عورت کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا ،ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ گوکہ براہ راست عورت کو انفساخ عقد کا اختیار نہیں دیتی، لیکن خلع یا دارالقضاء کے عدالتی عمل کے ذریعہ اس معاہدہ سے دستبردار ہونے کی اس کو اجازت دیتی ہے ، جس کی تفصیلات کتب فقہ میں معروف ہیں۔

ہندوستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ اصولی تفصیل اس لئے ذکر کی گئی تاکہ اس ضمن میں پیش آنے والے مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہو ، شریعت

میں نکاح کے لئے بھی ضابطے موجود ہیں اور اس سے دستبردار ہونے کے لئے بھی ،اس میں بنیادی طور پر لڑکا اور لڑکی کی رضامندی ضروری ہے، لیکن چونکہ اس سے دو شخصوں کی پوری زندگی وابستہ ہوتی ہے اور اس پر خاندانی روابط کا بھی انحصار ہوتا ہے اس لئے باپ دادا اور دیگر افراد خاندان کے مشورہ کی بھی بڑی اہمیت ہے،اس پس منظر میں درج ذیل سوالات کے جوابات پیش ہیں:

نکاح میں اپنا رشتہ خود چننے کا اختیار

(۱) آج کل لڑکے اور لڑکیاں اپنی پسند کے رشتے کرنا چاہتے ہیں،ایک طرف بعض اوقات وہ والدین کی مرضی اور ان کے مشورہ کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں ،دوسری طرف بعض والدین بچوں کے لئے ایسے رشتوں کا انتخاب کرتے ہیں،جو خود ان کے انتخاب کے بالکل برخلاف ہوتے ہیں،اس سلسلے میں صحیح رویہ کیا ہے ؟کیا شرعاً رشتۂ نکاح کے معاملے میں لڑکے اور لڑکیوں کا ان کے والدین کی مرضی قبول کرناواجب ہے ؟اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو کیا وہ گنہ گار ہونگے ؟

شرعی نقطۂ نظر سے لڑکا اور لڑکی جب بالغ ہو جائیں تو نکاح کے باب میں وہ اپنی پسند کے خود مالک ہیں ،والدین یا افراد خاندان ان پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرسکتے،(والدین کی مرضی مسلط کرنے کو فقہ کی اصطلاح میں ولایت اجبار کہتے ہیں)جب کہ بالغ اولاد اپنی مرضی سے کہیں بھی شادی کر سکتی ہے،خواہ والدین یا دیگر

افراد خاندان اس رشتے سے راضی ہوں یا نہ ہوں، قرآن کریم نے خود نکاح کرنے والوں کو یہ اختیار دیا ہے:

فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ[1]

ترجمہ: پس نکاح کرو اپنی پسند کی عورتوں سے، دو دو، تین تین، چار چار۔

ایک حدیث میں جوانوں کو مخاطب کر کے شادی کے بارے میں کچھ ہدایات دی گئی ہیں، یہ طرز تخاطب ان کے صاحب اختیار ہونے کی دلیل ہے:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فإنه له وجاء[2]

ترجمہ: اے جونوں کی جماعت! تم میں جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہو وہ ضرور نکاح کرے اور جو نہ رکھتا ہو وہ روزے کا اہتمام کرے، یہ اس کی قوت شہوانی کو کنٹرول میں رکھے گا۔

ایک روایت میں اس طرح مخاطب کیا گیا"

تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّى مُكَاثِرٌ بِكُمُ الأُمَمَ[3]

---

[1] -النساء :٣ ۔

[2] - الجامع الصحيح المختصرج ٥ ص ١٩٥٠ حدیث نمبر : 4778 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

ترجمہ: بچہ دینے والی اور محبت کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو تاکہ دوسری امتوں سے میری امت کی تعداد زیادہ ہو۔

رشتۂ نکاح کے انتخاب میں لڑکیاں بھی بااختیار ہیں

بالغ لڑکوں کے بارے میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، بالغ لڑکیوں کے بارے میں البتہ اختلاف ہے، لیکن فقہاء حنفیہ بالغ لڑکیوں کو بھی یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ خود اپنی پسند سے جہاں چاہیں نکاح کر سکتی ہیں، اور احادیث شریفہ سے اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً:

☆ خود حضور ﷺ کے سامنے ایک عورت نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش کیا، اور حضور ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی:

أن امرأة عرضت نفسها على النبي صلى الله عليه و سلم فقال له رجل يا رسول الله زوجنيها فقال (ما عندك) . قال ما عندي شيء قال (اذهب فالتمس ولوخاتم من حديد) . فذهب ثم رجع فقال لا والله ما وجدت شيئا ولا خاتما من حديد ولكن هذا إزاري ولها نصفه قال سهل ما له رداء فقال النبي صلى الله عليه و سلم (وما تصنع بإزارك إن لبسته لم يكن عليها منه شيء وإن لبسته لم يكن عليك منه

---

[3]- سنن أبي داود ج ٢ ص ١٧٥ حدىث نمبر : 2052 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ــ بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي [ملاحظات بخصوص الكتاب]

شيء) . فجلس الرجل حتى إذا طال مجلسه قام فرآه النبي صلى الله عليه و سلم فدعاه أودعي له فقال له (ماذا معك من القرآن.فقال معي سورة كذا وسورة كذا لسور يعددها فقال النبي صلى الله عليه و سلم (أملكناكها بما معك من القرآن[4])

☆ حضرت خنساء بنت خذام کا نکاح ان کے والد نے ان کی مرضی کے بغیر کر دیا تھا، انہوں نے حضور ﷺ سے اس کی شکایت کی، تو آپؐ نے اس نکاح کو رد فرما دیا،

فَإِنَّ خَنْسَاءَ بِنْتَ خِذَامٍ أَنْكَحَهَا أَبُوهَا وَهْىَ كَارِهَةٌ ، فَرَدَّ النَّبِىُّ – صلى الله عليه وسلم – ذَلِكَ[5]

امام بخاری نے اس پر ایک باب قائم کیا کہ:

باب إذا زوج ابنته وهي كارهة فنكاحهم مردود[6]

---

[4]- الجامع الصحيح المختصر ج 5 ص 1968 حدیث نمبر : 4829 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

[5]- الجامع الصحيح المختصر ج ٥ ص 1974 حدیث نمبر : 6568 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا ۔

[6]- الجامع الصحيح المختصر ج ٥ ص 1974 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د.

"جو شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کردے اس کا نکاح قابل رد ہے"

لڑکا اور لڑکی اگر اپنی پسند کی شادی کرنا چاہیں تو خاندان والوں کی طرف سے شادی سے پہلے یا شادی کے بعد کسی قسم کی امتناعی کاروائی کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ[7]

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ[8]

یہ نصوص وروایات نکاح کے باب میں لڑکا اور لڑکی کی خود اختیاری ثابت کرتی ہیں، اورانہی نصوص کی بنیاد پر فقہاء حنفیہ نے نکاح کے باب میں بالغ لڑکے اور لڑکیوں کی خود مختاری اور آزادی کو تسلیم کیا ہے: فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

نَفَذَ نِكَاحُ حُرَّةٍ مُكَلَّفَةٍ بِلَا وَلِيٍّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كَذَا فِي التَّبْيِينِ سُئِلَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ

مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا -

[7] -البقرة : 234 -

[8] - البقرة : 232

عَطَاءُ بن حَمْزَةَ عن امْرَأَةٍ شَافِعِيَّةٍ بِكْرٍ بَالِغَةٍ زَوَّجَتْ نَفْسَهَا من حَنَفِيٍّ بِغَيْرِ إذْنِ أَبِيهَا وَالْأَبُ لَا يَرْضَى وَرَدَّهُ هل يَصِحُّ هذا النِّكَاحُ قال نعم[9]۔

اور بھی بہت سی معتبر کتابوں میں اس مضمون کی صراحتیں موجود ہیں، مثلاً:

*(وَلَا تُجْبَرُ بِكْرٌ بَالِغَةٌ على النِّكَاحِ) أَيْ لَا يَنْفُذُ عَقْدُ الْوَلِيِّ عليها بِغَيْرِ رِضَاهَا عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ [10]

* لَا يَجُوزُ نِكَاحُ أَحَدٍ على بَالِغَةٍ صَحِيحَةِ الْعَقْلِ من أَبٍ أو سُلْطَانٍ بِغَيْرِ إذْنِهَا بِكْرًا كانت أو ثَيِّبًا فَإِنْ فَعَلَ ذلك فَالنِّكَاحُ مَوْقُوفٌ على إجَازَتِهَا فَإِنْ أَجَازَتْهُ جَازَ وَإِنْ رَدَّتْهُ بَطَلَ كَذَا في السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ وَلَوْ ضَحِكَتْ الْبِكْرُ عِنْدَ الِاسْتِئْمَارِ أو بَعْدَمَا بَلَغَهَا الْخَبَرُ فَهُوَ رِضًا هَكَذَا ذَكَرَ الْقُدُورِيُّ وَشَيْخُ الْإِسْلَامِ كَذَا في الْمُحِيطِ وَهَكَذَا في الْكَافِي وَقَالُوا إنْ ضَحِكَتْ كَالْمُسْتَهْزِئَةِ لَمَّا سَمِعَتْ لَا يَكُونُ رِضًا كَذَا في الْمَبْسُوطِ لِلْإِمَامِ السَّرَخْسِيِّ وَالْكَافِي وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَذَا في الْبَحْرِ الرَّائِقِ وَإِنْ تَبَسَّمَتْ فَهُوَ رِضًا هو الصَّحِيحُ من الْمَذْهَبِ ذَكَرَهُ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيُّ كَذَا في الْمُحِيطِ [11]

---

[9]- الفتاوى الهندية [حنفي] ج 1 ص 173 المؤلف : لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي

[10]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 118 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت * الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 3 ص 64 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب

☆پسند کی شادی کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ زوجین کے درمیان شقاق واختلاف کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔

شادی کی انجام دہی خاندان کے ذریعہ مستحب ہے

البتہ بالغ لڑکیوں کے معاملے میں مستحب یہ ہے کہ رشتۂ نکاح کا یہ پورا عمل والدین اور خاندان کے مشورے سے اور ان کے زیر انتظام انجام پائے:

☆اس لئے کہ مشورہ میں خیر ہے۔

☆دوسرے جب تک عقل پختہ نہیں ہوتی ،جوانی میں آدمی کی نگاہ عموماً حسن وجوانی سے آگے مستقبل تک نہیں جاتی ،اور انجام سے بے خبر انسان حال کی چمک دمک اور لذتوں میں کھو جاتا ہے ،لیکن اگر اس میں خاندان کے پختہ کار لوگوں کا مشورہ بھی شامل ہو جائے تو مستقبل کے خدشات بڑی حد تک کم ہو جاتے ہیں۔۔۔۔

☆وہ بھی جبکہ عورتیں پیدائشی طور پر ناقص العقل بھی ہیں:

(قَوْلُهُ : نَفَذَ نِكَاحُ حُرَّةٍ مُكَلَّفَةٍ بِلَا وَلِيٍّ) إلَّا أَنَّهُ خِلَافُ الْمُسْتَحَبِّ ا هـ فَتْحٌ[12]

☆نیز یہ لڑکیوں کی فطری حیا کے بھی خلاف ہے کہ والدین اور افراد

---

[11]- الفتاوى الهندية (موافق للمطبوع)ج 1ص 173

[12]- تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 5 ص 299المؤلف : فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي (المتوفى : 743هـ)

خاندان کے ہوتے ہوئے اپنے لئے شوہر کا انتخاب وہ خود کریں،۔۔

وإنما يطالب الولي بالتزويج كي لا تنسب إلى الوقاحة ولذا كان المستحب في حقها تفويض الأمر إليه[13]۔۔۔۔

خاندان کو حق اعتراض

خاندان کے لوگوں کو صرف دوصورتوں میں اس نکاح پر اعتراض (آبجیکشن) کا حق حاصل ہو گا،اور اس کو عدالت کے ذریعہ رد کرانے کا اختیار ہو گا،(1) لڑکا یالڑکی نابالغ ہوں:

وَمَبْنَى الْخِلَافِ أَنَّ عِلَّةَ ثُبُوتِ وِلَايَةِ الْإِجْبَارِ أَهُوَ الصِّغَرُ أَوْ الْبَكَارَةُ فَعِنْدَنَا الصِّغَرُ [14]

(۲)یالڑکی بالغ ہو لیکن غیر کفو میں وہ نکاح کرلے ،یعنی اگر لڑکی اپنے معیار کے یااپنے سے بہتر خاندان میں شادی کرے تو اہل خاندان اس کو رد کرنے کے مجازنہ ہونگے:

(قَوْلُهُ فِي الْمَتْنِ : مَنْ نَكَحَتْ غَيْرَ كُفْءٍ فَرَّقَ الْوَلِيُّ)------

---

[13]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 117 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[14]- تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج 2 ص 118المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ)

الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ)الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـ

(قَوْلُهُ : وَالنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ صَحِيحًا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ) أَمَّا عَلَى الرِّوَايَةِ الْمُخْتَارَةِ لِلْفَتْوَى لَا يَصِحُّ الْعَقْدُ أَصْلًا إذَا كَانَتْ زَوَّجَتْ نَفْسَهَا مِنْهُ------- (قَوْلُهُ : إلَى أَنْ يُفَرِّقَ الْحَاكِمُ بَيْنَهُمَا) قَالَ الرَّازِيّ وَلَا يَكُونُ ذَلِكَ التَّفْرِيقُ إلَّا عِنْدَ الْقَاضِي؛ لِأَنَّهُ فَصْلٌ مُجْتَهَدٌ فِيهِ فَلَا بُدَّ مِنْ حُكْمِ الْحَاكِمِ ا هـــ . وَصِفَةُ التَّفْرِيقِ أَنْ يَقُولَ الْقَاضِي : فَسَخْت هَذَا الْعَقْدَ بَيْنَ هَذِهِ الْمُدَّعِيَةِ وَبَيْنَ هَذَا الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَتَمَامُهُ فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ.اهـــ[15]

فإذا تَزَوَّجَتْ الْمَرْأَةُ رَجُلًا خَيْرًا منها فَلَيْسَ لِلْوَلِيِّ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا فإن الْوَلِيَّ لَا يَتَعَيَّرُ بِأَنْ يَكُونَ تَحْتَ الرَّجُلِ من لَا يُكَافِئُوهُ كَذَا في شَرْحِ الْمَبْسُوطِ لِلْإِمَامِ السَّرَخْسِيِّ[16]

کفاءت کا اعتبار صرف لڑکیوں میں ہے

لیکن قانونی اعتبار سے بالغ لڑکے آزاد ہیں، وہ خواہ کسی بھی خاندان میں اپنا نکاح کرلیں، کفو ہو یا نہ ہو، اولیاء خاندان اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار نہیں رکھتے، اس لئے کہ کفاءت کا اعتبار صرف لڑکی کی جہت میں ہے، کہ وہی فراش بنتی

---

[15]- تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج 2 ص 128المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـــ)
الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـــ)الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـــ

[16]- الفتاوى الهندية (موافق للمطبوع)ج 1 ص 319 الباب الخامس فى الاكفاء دارالكتب العلمية بيروت۔

ہے۔

فَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ لِلنِّسَاءِ لَا لِلرِّجَالِ عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ تُعْتَبَرُ الْكَفَاءَةُ فِي جَانِبِ الرِّجَالِ لِلنِّسَاءِ ، وَلَا تُعْتَبَرُ فِي جَانِبِ النِّسَاءِ لِلرِّجَالِ ؛ لِأَنَّ النُّصُوصَ وَرَدَتْ بِالِاعْتِبَارِ فِي جَانِبِ الرِّجَالِ خَاصَّةً .وَكَذَا الْمَعْنَى الَّذِي شُرِعَتْ لَهُ الْكَفَاءَةُ يُوجِبُ اخْتِصَاصَ اعْتِبَارِهَا بِجَانِبِهِمْ ؛ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ هِيَ الَّتِي تَسْتَنْكِفُ لَا الرَّجُلُ ؛ لِأَنَّهَا هِيَ الْمُسْتَفْرَشَةُ .فَأَمَّا الزَّوْجُ ، فَهُوَ الْمُسْتَفْرِشُ ، فَلَا تَلْحَقُهُ الْأَنَفَةُ مِنْ قِبَلِهَا[17]

★ لِأَنَّ الشَّرِيفَةَ تَأْبَى أَنْ تَكُونَ مُسْتَفْرَشَةً لِلْخَسِيسِ بِخِلَافِ جَانِبِهَا لِأَنَّ الزَّوْجَ مُسْتَفْرِشٌ فَلَا يَغِيظُهُ دَنَاءَةُ الْفِرَاشِ وَمِنْ الْغَرِيبِ ما فِي الظَّهِيرِيَّةِ وَالْكَفَاءَةُ فِي النِّسَاءِ لِلرِّجَالِ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لَهُمَا ا هـــ وَذَكَرَهُ فِي الْمُحِيطِ وَعَزَاهُ إلَى الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لَكِنْ فِي الْخَبَّازِيَّةِ الصَّحِيحُ أنها غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ من جَانِبِهَا عِنْدَ الْكُلِّ ا هـــ[18]

لڑکوں کو بھی والدین کے مشورے سے نکاح کرنا چاہیے

البتہ خاندانی احترام واستحکام اور معاشرتی تمدن کی بنیاد پر لڑکوں کے

---

[17]- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 2 ص 320 علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت
عدد الأجزاء 7

[18]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 137 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـــ/ سنة الوفاة 970هـــ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت -

لئے بھی مناسب یہ ہے کہ وہ والدین کے مشورے سے ہی رشتۂ نکاح کا انتخاب کریں، فقہاء نے لکھا ہے کہ بالغ لڑکوں کو ایسے جائز امور میں والدین سے مشورہ کرنا چاہئے، جن مین ان کو نظر انداز کرنا باعث رنج ہو،ماں باپ کا اولاد پر یہ حق بنتا ہے:

الِابْنُ الْبَالِغُ يَعْمَلُ عَمَلًا لَا ضَرَرَ فيه دِينًا وَلَا دُنْيَا بِوَالِدِيهِ وَهُمَا يَكْرَهَانِهِ فَلَا بُدَّ من الِاسْتِئْذَانِ فيه إذَا كان له منه بُدٌّ إذَا تَعَذَّرَعليه جَمْعُ مُرَاعَاةِ حَقِّ الْوَالِدَيْنِ بِأَنْ يَتَأَذَّى أَحَدُهُمَا بِمُرَاعَاةِ الْآخَرِ يُرَجَّحُ حَقُّ الْأَبِ فِيمَا يَرْجِعُ إلَى التَّعْظِيمِ وَالِاحْتِرَامِ وَحَقُّ الْأُمِّ فِيمَا يَرْجِعُ إلَى الْخِدْمَةِ وَالْإِنْعَامِ[19]

لیکن اگر وہ ایسانہ کریں تو گناہ گار نہ ہونگے،اس لئے کہ یہ اگر مستحب بھی ہو تو خلاف استحباب سے گناہ نہیں ہو تا۔

بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کرنا درست نہیں

(۲)طلاق کے واقعات میں بہت سی دفعہ والدین کا اصرار بھی شامل ہو تا ہے،تو کیا ماں باپ کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ بہو کو ناپسند کرنے کی وجہ سے بیٹے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے؟اور کیا بیٹے پر اپنے ماں باپ کی اس بات کو ماننا ضروری ہے؟

---

[19]-الفتاوى الهندية [حنفي] ج 1 ص 176 المؤلف : لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي

پسند وناپسند ایک اضافی چیز ہے، کسی کو ایک چیز پسند نہیں ہے تو ضروری نہیں کہ دوسرے کو بھی وہ پسند نہ ہو، علاوہ ازیں ہر شخص میں کچھ خوبیاں اور کچھ خامیاں ہوتی ہیں، خاص طور سے عورتیں کہ ان کی کجی میں بھی حسن ہے، حدیث میں آتا ہے کہ:

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– « لاَ يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِىَ مِنْهَا آخَرَ ». أَوْ قَالَ « غَيْرَهُ ».[20]

اس لئے محض کسی کی پسند یا ناپسند شریعت میں معیار نہیں ہے، دیکھنا یہ چاہئے کہ بہو کو ناپسند کرنے کی وجہ کیا ہے؟

حدیث میں آتا ہے کہ عورتوں کو پسند کرنے کی چار وجوہات ہو سکتی ہیں:

۱ –مال ودولت، ۲ –حسب ونسب، ۳ –حسن وجمال، ۴ –دینداری،

ان میں دینداری زیادہ قابل ترجیح ہے:

(تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك[21]

---

[20]- الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 4 ص 178 حدیث نمبر : 3721 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق :الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة :عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات .

[21]- الجامع الصحيح المختصر ج 5 ص 1958 حدیث نمبر : 4802 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت

اس حدیث کی رو سے شرعی طور پر مال ودولت، حسب ونسب یا حسن وجمال کوئی حقیقی معیار نہیں ہیں، حقیقی معیار دینداری وشرافت ہے، اگر والدین مذکورہ بالا تین اسباب کی کمی کی وجہ سے بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کرتے ہیں، تو یہ خلاف شرع اور صریح ظلم ہے، اس کی تعمیل ہرگز ضروری نہیں، اس لئے کہ یہ مخلوق کی رضا کے لئے خالق کو ناراض کرنا ہے:

لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق [22]

البتہ یہ ممکن ہے کہ آدمی حسن وجمال اور دیگر اسباب کمال کے رہتے ہوئے محض دین کی کمی کی بنا پر طلاق دے دے، جیسا کہ علامہ کاسانیؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

وكذلك الرجل قد يطلق امرأته الفائقة حسنا وجمالا الرائقة تغنجا ودلالا لخلل في دينها, وإن كان لا يرضى به طبعا ويقع الطلاق عليها[23].

الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6

[22]-مصنف ابن ابی شیبۃ ج 6 ص 244-

[23]- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 16 ص 35 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هــ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هــ – 1986م

بے دینی کی بنیاد پر طلاق دینا واجب نہیں ہے

لیکن دینی کمی کی بنیاد پر بھی طلاق دینا واجب نہیں ہے، البتہ بے دینی کی وجہ سے حقوق زوجیت کی ادائیگی اور حدود الٰہی کے تحفظ میں رخنہ پڑجائے، اور افہام و تفہیم اور صلح و مصالحت کے راستے بند ہوجائیں تو طلاق دینے کی اجازت ہے:

وفي آخر حظر المجتبى: لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا،[24]

وفي الْمُجْتَبَى من آخِرِ الْحَظْرِ وَالْإِبَاحَةِ لَا يَجِبُ على الزَّوْجِ تَطْلِيقُ الْفَاجِرَةِ وَلَا عليها تَسْرِيحُ الْفَاجِرِ إلَّا إذَا خَافَا أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَتَفَرَّقَا ا هـ[25]

غرض شرعی طور پر یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو ناپسندیدگی کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے، اور اس تناظر میں باپ بھی طلاق کا حکم دے سکتا ہے، جس طرح کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے اپنے صاحبزادے کو بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا تھا

---

[24]- الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 3 ص 55 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـ) -* حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 6 ص 427 عابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.

عدد الأجزاء 8 .

[25]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 115 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

، لیکن یہ حکم بھی واجب التعمیل نہیں ہے، اس پر عمل کرنا فقط مستحب ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے نے باپ کے حکم پر فوراً عمل نہیں کیا بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، جب حضور ﷺ نے بھی اس کی تائید فرمائی، تب انہوں نے طلاق دی، اس لئے یہاں یہ خیال بھی دل کو لگتا ہے کہ اس واقعہ میں اگر حکم نبی شامل نہ ہوتا تو شاید ابن عمرؓ پر اس حکم کی تعمیل واجب نہ ہوتی:

عن حمزة بن عبد الله بن عمر قال:تزوج أبي امرأة وكرهها عمر فأمره بطلاقها فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال "أطع أباك "[26]

عام حالات میں بیٹے کو طلاق پر مجبور نہیں کرسکتے

اس کے علاوہ عام حالات میں والدین اپنے بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کرسکتے ہیں، اورنہ ان کا حکم واجب التعمیل ہو گا، زیادہ سے زیادہ باپ اگر متشرع، معتدل المزاج اور صاحب علم ودانش ہو تو اس کی تعمیل مستحب ہو گی۔

---

[26]- صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان ج 2 ص 169 حدیث نمبر :المؤلف : محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى : 354هـ)ترتيب : علي بن بلبان بن عبد الله، علاء الدين الفارسي، المنعوت بالأمير(المتوفى : 739هـ)الناشر : مؤسسة الرسالة۔

* موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان ج 1 ص 496 حدیث نمبر : 2022 المؤلف : نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى : 807هـ) المحقق : محمد عبد الرزاق حمزة الناشر : دار الكتب العلمية ۔

رہ گئی والدہ تو وہ اس دائرے میں آتی ہی نہیں ہے، اس لئے کہ عورتیں ناقص العقل اور جذباتی ہوتی ہیں، اسی لئے شریعت نے اپنے طلاق کے معاملے میں بھی ان کو با اختیار نہیں بنایا ہے، پھر کسی دوسری عورت کی طلاق میں وہ صاحب اختیار کیونکر ہو سکتی ہیں، ۔۔۔۔۔ کئی علماء متقدمین نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے، علامہ مقدسیؒ نے اپنی کتاب "الآداب الشرعیۃ" میں ایک فصل قائم کی ہے:

فَصْلٌ لَا تَجِبُ طَاعَةُ الْوَالِدَيْنِ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ فَإِنْ أَمَرَهُ أَبُوهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ لَمْ يَجِبْ

اس فصل کے تحت انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر اصحاب حنابلہ کے حوالے سے ایک استفتا کا جواب دیتے ہوئے بیٹے سے والد کے اس قسم کے مطالبہ کو غیر قانونی اور دائرۂ وجوب سے خارج قرار دیا ہے، اس پر مستفتی نے جب یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ حضرت عمرؓ نے تو اپنے بیٹے کو طلاق کا حکم دیا تھا، اور بیٹے نے اس کی تعمیل کی تھی، تو اس کا جواب مفتی صاحب نے یہ دیا کہ کیا تمہارے والد حضرت عمرؓ جیسے صاحب مقام ہیں اور کیا تم ان کے صاحبزادے کی طرح ہو ؟(یعنی والد اس درجہ کے ہوں اور صاحبزادہ کے حالات بھی ان سے مطابقت رکھتے ہوں، تب یہ حکم ہے ؟ ورنہ یہ حکم نہیں ہو گا)اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ والدہ تو اس دائرے میں آتی ہی نہیں ،یعنی اس کے حکم پر عمل کرنا مستحب بھی نہیں ہے

ذَكَرَهُ أَكْثَرُ الْأَصْحَابِ قَالَ سِنْدِيٌّ سَأَلَ رَجُلٌ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ فَقَالَ إنَّ أَبِي يَأْمُرُنِي أَنْ أُطَلِّقَ امْرَأَتِي قَالَ : لَا تُطَلِّقْهَا قَالَ : أَلَيْسَ

عُمَرُ أَمَرَ ابْنَهُ عَبْدَ اللَّهِ أَنْ يُطَلِّقَ امْرَأَتَهُ قَالَ حَتَّى يَكُونَ أَبُوك مِثْلَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ .وَاخْتَارَ أَبُو بَكْرٍ مِنْ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ يَجِبُ لِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِابْنِ عُمَرَ ، وَنَصِّ أَحْمَدَ فِي رِوَايَةِ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ إذَا أَمَرَتْهُ أُمُّهُ بِالطَّلَاقِ لَا يُعْجِبُنِي أَنْ يُطَلِّقَ لِأَنَّ حَدِيثَ ابْنِ عُمَرَ فِي الْأَبِ وَنَصَّ أَحْمَدَ أَيْضًا فِي رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى أَنَّهُ لَا يُطَلِّقُ لِأَمْرِ أُمِّهِ فَإِنْ أَمَرَهُ الْأَبُ بِالطَّلَاقِ طَلَّقَ إذَا كَانَ عَدْلًا وَقَوْلُ أَحْمَدَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يُعْجِبُنِي كَذَا هَلْ يَقْتَضِي التَّحْرِيمَ أَوْ الْكَرَاهَةَ فِيهِ خِلَافٌ بَيْنَ أَصْحَابِهِ ، وَقَدْ قَالَ الشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّينِ فِيمَنْ تَأْمُرُهُ أُمُّهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ قَالَ لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا ، بَلْ عَلَيْهِ أَنْ يَبَرَّهَا وَلَيْسَ تَطْلِيقُ امْرَأَتِهِ مِنْ بِرِّهَا [27].

علامہ سفارینیؒ نے بھی ایک عنوان "مَطْلَبٌ : هَلْ إذَا أَمَرَ الْأَبُ أَوْ الْأُمُّ وَلَدَهُمَا بِتَطْلِيقِ زَوْجَتِهِ يُجِيبُهُمَا أَمْ لَا ؟۔۔۔ قائم کرکے "الآداب الشرعیہ "کی اس پوری عبارت کو مدلل نقل کیا ہے،اور اس سے اتفاق ظاہر کیا ہے[28]۔

حافظ ابن حجر ہیثمیؒ نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھاہے کہ والد

---

[27]- الآداب الشرعية ج ٢ ص 56 المؤلف : شمس الدين أبو عبد الله محمد بن مفلح المقدسي (المتوفى : 763هـ)

[28]-غذاء الألباب في شرح منظومة الآداب ج ٢ ص ١٠٥ المؤلف : محمد بن أحمد السفاريني الحنبلي (المتوفى : 1188هـ)

کا محض عاجلانہ یا احمقانہ فیصلہ قابل تعمیل نہیں ہے، البتہ اگر وہ صاحب علم و مقام ہو ،اور اس کی مخالفت اس کے لئے باعث خفت واذیت نہ ہو تو اس حکم پر عمل کرنا صرف مستحب ہے، واجب نہیں، اور اس کو والد کی نافرمانی قرار نہیں دیا جائے گا:

فَلَوْ كَانَ مُتَزَوِّجًا بِمَنْ يُحِبُّهَا فَأَمَرَهُ بِطَلَاقِهَا وَلَوْ لِعَدَمِ عِفَّتِهَا فَلَمْ يَمْتَثِلْ أَمْرَهُ لَا إثْمَ عَلَيْهِ كَمَا سَيَأْتِي التَّصْرِيحُ بِهِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، لَكِنَّهُ أَشَارَ إلَى أَنَّ الْأَفْضَلَ طَلَاقُهَا امْتِثَالًا لِأَمْرِ وَالِدِهِ ، وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ الْحَدِيثُ الَّذِي بَعْدَهُ : { أَنَّ عُمَرَ أَمَرَ ابْنَهُ بِطَلَاقِ زَوْجَتِهِ فَأَبَى فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ بِطَلَاقِهَا } [29].

غیر اسلامی عدالتوں سے مطلقہ کے نفقہ کا فیصلہ

(۳)اس وقت عدالتوں سے مطلقہ کے لئے نفقہ کا فیصلہ ہو رہا ہے، ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے صرف عدت ہی کا نفقہ سابق شوہر پر واجب ہوتا ہے،

(الف)تو کیا مطلقہ کے لئے بعد از عدت نفقہ کے لئے عدالت سے رجوع کرنا شرعاً درست ہے؟

(ب)اور اگر کسی مسلمان عورت کے حق میں عدالت کی طرف سے اس طرح کا فیصلہ ہو جائے تو عورت کے لئے سابق شوہر کی طرف سے ہدیہ یا گورنمنٹ

---

[29]- الزواجر عن اقتراف الكبائرج 2 ص 403المؤلف : شهاب الدين أحمد بن محمد، ابن حجر الهيتمي (المتوفى : 974هــ)

کی طرف سے اعانت سمجھ کر عدالت کی مقرر کردہ رقم قبول کرنے کی گنجائش ہو گی ؟

(ج)اور کیا اس سلسلے میں بے سہارا مطلقہ اور اس مطلقہ کے حق میں کوئی فرق ہو گا جس کے نفقہ کا انتظام اس کے خاندان کے لوگ کر رہے ہوں؟

شرعی مسائل میں غیر اسلامی عدالت سے رجوع کرنا جائز نہیں

(الف)شرعی مسائل میں مسلمانوں کا غیر اسلامی عدالت سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے ،یہ قرآن کریم کی صریح خلاف ورزی اور نفاق وطغیان کے مترادف ہے، قرآن کریم میں واضح حکم موجود ہے، کہ مسلمان باہمی اختلافات میں شریعت سے رجوع کریں ، اس لئے طاغوتی قوتوں سے رجوع کرنا ان کے منصب ایمانی کے خلاف اور اسلام کے ساتھ یک گونہ منافقت وغداری ہے ، ایمان کا مطلب ہی کفر وطاغوت کا انکار ہے،اور ان کی طرف رجوع کرنا اس انکار کے خلاف ہے، ہمیں اللہ پاک نے اس زمین پر اس لئے بھیجا ہے کہ اس طاغوتی نظام کی جگہ پر اسلامی نظام قائم کریں ،چہ جائیکہ طاغوتی نظام سے انصاف اور رحم کی بھیک مانگی جائے، یہ کلمہ کی شان اور اس کے بنیادی معاہدہ کے خلاف ہے، مسلمان ہر حال میں اللہ اور رسول اور اپنے حاملین شریعت (اولو الامر) کے پابند عہد ہیں۔۔۔

قرآن نے اس حقیقت کو بھی واشگاف کیاہے کہ یہ طاغوتی طاقتیں اسی تاک میں بیٹھی ہیں کہ تم ان سے ملو اور وہ تمہارے اندر شقاق واختلاف اور فتنہ

وفساد کے تخم ڈالدیں، پھر تم آپسی جھگڑوں اور دینی نزاعات سے کبھی نہ نکل سکوگے

قرآن کریم کی آیات ذیل میں پوری وضاحت و قوت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے،:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (59) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا (60) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا---------[30]

جس قوم کے پاس رسول اکرم ﷺ کی رسالت کبریٰ اور قرآن کریم جیسا آخری قانون ہدایت موجود ہو، اسے دوسرے غیر اسلامی اور کمزور اور کم عقل انسانوں کے بنائے ہوئے نظام قانون و تمدن کی کاسہ لیسی کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس طرح کی جسارتیں کرنے والے اللہ کی نگاہ میں مسلمان کہاں ہیں؟

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا (64) فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا

---

[30]-النساء :59 -61 -

شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (65)

اس قسم کی ذہنیت دراصل تکذیب نبوت اوراسلامی نظام قانون کے بارے میں تشکیک پر منتہی ہوتی ہے، غیر اسلامی لباس اور شعائر اختیار کرنے کو فقہاء نے نتیجہ کے اعتبار سے ہی ناجائز قرار دیا ہے، ورنہ فی الواقع یہ چیزیں کفر نہیں ہیں، قاضی بیضاوی تحریر فرماتے ہیں:

وإنما عُدَّ لبس الغيار وشد الزنار ونحوهما كفراً لأنها تدل على التكذيب،فإن من صدق الرسول صلى الله عليه وسلم لا يجترىء عليها ظاهراً لاأنها كفرفي أنفسها [31]

اسلامی قانون کے خلاف کوئی فیصلہ قابل قبول نہیں

(ب)اگر غیر شرعی عدالت اسلامی قانون کے خلاف کوئی فیصلہ کر بھی دے تو مسلمانوں کے حق میں وہ فیصلہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے اور نہ کسی تاویل سے اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، اس لئے کہ یہ کفر کو اسلام پر ترجیح دینے کے مترادف ہوگا، قرآن کریم میں ہے:

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا [32]

---

[31]- أنوار التنزيل وأسرار التأويل المعروف بتفسير البيضاوي ج 1 ص 24 المؤلف : ناصرالدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (المتوفى : 685هـ)
مصدر الكتاب : موقع التفاسير-

[32]-النساء :141-

نیز اس سے اسلام کے خلاف لوگوں میں جرأت بڑھے گی،خود مسلمان عورتیں دین، علماء دین بلکہ اپنے خاندان اور شوہروں کے حق میں بھی ناروا آزادی اور جسارت میں مبتلا ہونے لگیں گی ،یہ حدود سے تجاوز ہے ،اور قرآن نے حدود سے تجاوز کو ظلم قرار دیاہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ [33]

اسلام نے شوہروں پر مطلقہ عورتوں کے لئے صرف عدت کا نفقہ واجب کیاہے،عدت کے بعد شوہر بالکل اجنبی ہو جاتاہے،اس کا عورت سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا ،اس لئے عدت کے بعد بھی اس سے نفقہ وصول کرنا ،یا اس کی خاطر غیر شرعی عدالتوں کی جانب رخ کرنا ظلم بھی ہے اور بے حیائی بھی،عدت کے بعد عورت کا مرد پر کوئی حق باقی نہیں رہ جاتا،اور بغیر حق کے کسی سے کچھ وصول کرنا ظلم ہے،

نیز کسی غیر مرد سے اپنا خرچہ وصول کرنا بے حیائی بھی ہے اور نسوانی غیرت کے بھی خلاف ہے۔۔

اس لئے غیر اسلامی عدالتیں عورت یا اس کے اہل خاندان کے مطالبہ پر بعد عدت نفقہ کا فیصلہ کر بھی دیں تو عورت کے لئے مرد سے نفقہ وصول کرنا جائزنہ ہو گا،اس لئے کہ یہ ظلم ہے اور ظلم کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

---

[33] -البقرۃ : 229 -

اس کو ہدیہ قرار دیاجانا ممکن نہیں اور نہ حکومتی امداد،۔۔۔کیونکہ ہدیہ زبردستی وصول نہیں کیاجاتا،اس کے لئے رضامندی اور طیب نفس ضروری ہے ،حکومت کے فیصلہ پر مجبور ہوکر مرد نفقہ دینا منظور بھی کرلے تو یہ اس کی مجبوری ہوگی ،جبر اور طیب نفس میں بہت فرق ہے، اسلام میں طیب نفس کے بغیر کسی کا مال لینا حلال نہیں ہے:

لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[34]

عن أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال :لايحل مال أمرئ مسلم إلا بطيب نفسه[35]

لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ من الْمُسْلِمِينَ أَخْذُ مَالِ أَحَدٍ بِغَيْرِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ[36]

حکومتی امداد بھی اس کو نہیں کہاجاسکتا،اس لئے کہ حکومت اس طرح کی مصیبت زدہ خواتین کی امداد کرنا چاہے تو اپنے فنڈ سے کرسکتی ہے، دوسرے کی جبری رقم کو حکومت کی مدد کے خانے میں شمار کرنا صحیح نہیں۔

---

[34]-البقرة :188 ،

[35]- سنن الدارقطني ج 3 ص 26 حدىث نمبر : 91المؤلف : علي بن عمر أبو الحسن الدارقطني البغدادي الناشر : دار المعرفة – بيروت ، 1386 – 1966 تحقيق : السيد عبد الله هاشم يماني المدني عدد الأجزاء : 4

[36]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 5 ص 44 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت * حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 4 ص 61 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8

(ج) اس باب میں بے سہارا مطلقہ اور با سہارا مطلقہ کے درمیان فرق کرنا بھی درست نہیں، اس لئے کہ محتاج کے لئے مانگ کر کسی کا مال لینا تو درست ہے لیکن ظلم کے ساتھ درست نہیں ،نفقہ سے متعلق شرعی قانون جانتے بوجھتے غیر اسلامی عدالت کی طرف رخ کرنا صریح ظلم ہے ،۔۔۔ جب شریعت میں بے سہارا عورتوں کے نفقہ کے لئے جائز حل موجود ہے تو ظلم پر مبنی حل کو سند جواز کیونکر فراہم کیا جاسکتا ہے ؟۔۔۔

علاوہ ازیں اگر ایک بار اس تاویل کے ساتھ نفقہ لینا منظور کرلیا گیا تو پھر یہ دوسری عورتوں کے لئے ایک نظیر بن جائے گی اور نتیجہ یہ ہو گا کہ شریعت کا قانون طاق نسیان ہو جائے گا۔

مطلقہ عورت کے نکاح ثانی کی ذمہ داری

(۴) اگر کسی عورت کو طلاق ہو گئی ہو تو اس کا دوسرا نکاح کرانے کی ذمہ داری کن لوگوں پر ہو گی ؟ کیونکہ یوں تو نکاح میں کسی بڑے خرچ کی ضرورت نہیں ہے ، لیکن معاشرے کی بگاڑ کی وجہ سے عملی صورت حال یہ ہے کہ کثیر اخراجات کے بغیر لڑکیوں کی شادی نہیں ہو پاتی، چہ جائے کہ ایک مطلقہ عورت کی۔

یہ ذمہ داری درجہ بدرجہ عورت کے ورثہ کی ہے ، جس ترتیب سے اس کے رشتہ دار اور اہل خاندان اس کی جائیداد میں وراثت کے حقدار ہوتے ہیں ، اسی ترتیب سے ان ورثہ کو عورت کے نفقہ اور شادی کے اخراجات بھی اٹھانے ہونگے :

وَأَقْرَبُ الْأَوْلِيَاءِ إلَى الْمَرْأَةِ الِابْنُ ثُمَّ ابن الِابْنِ وَإِنْ سَفَلَ ثُمَّ الْأَبُ ثُمَّ الْجَدُّ أبو الْأَبِ وَإِنْ عَلَا كَذَا في الْمُحِيطِ فإذا كان لِلْمَجْنُونَةِ أَبٌ وَابْنٌ أو جَدٌّ وَابْنٌ فَالْوِلَايَةُ لِلِابْنِ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لِلْأَبِ كَذَا في السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ وَالْأَفْضَلُ أَنْ يَأْمُرَ الْأَبُ الِابْنَ بِالنِّكَاحِ حتى يَجُوزَ بِلَا خِلَافٍ كَذَا في شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ ثُمَّ الْأَخُ لِأَبٍ وَأُمٍّ ثُمَّ الْأَخُ لِأَبٍ ثُمَّ ابن الْأَخِ لِأَبٍ وَأُمٍّ ثُمَّ ابن الْأَخِ لِأَبٍ وَإِنْ سَفَلُوا ثُمَّ الْعَمُّ لِأَبٍ وَأُمٍّ ثُمَّ الْعَمُّ لِأَبٍ ثُمَّ ابن الْعَمِّ لِأَبٍ وَأُمٍّ ثُمَّ ابن الْعَمِّ لِأَبٍ وَإِنْ سَفَلُوا ثُمَّ عَمُّ الْأَبِ لِأَبٍ وَأُمٍّ ثُمَّ عَمُّ الْأَبِ لِأَبٍ ثُمَّ بَنُوهُمَا على هذا التَّرْتِيبِ ثُمَّ عَمُّ الْجَدِّ لِأَبٍ وَأُمٍّ ثُمَّ عَمُّ الْجَدِّ لِأَبٍ ثُمَّ بَنُوهُمَا على هذا التَّرْتِيبِ ثُمَّ رَجُلٌ هو أَبْعَدُ الْعَصَبَاتِ إلَى الْمَرْأَةِ وهو ابن عَمٍّ بَعِيدٍ كَذَا في التَّتَارْخَانِيَّة وَكُلُّ هَؤُلَاءِ لهم وِلَايَةُ الْإِجْبَارِ على الْبِنْتِ وَالذَّكَرِ في حَالِ صِغَرِهِمَا وَحَالِ كِبَرِهِمَا إذَا جُنَّا كَذَا في الْبَحْرِ الرَّائِقِ[37]

(الولي في النكاح) لا المال (العصبة بنفسه) وهو من يتصل بالميت حتى المعتقة (بلا توسطة أنثى) بيان لما قبله (على ترتيب الإرث والحجب[38]-

---

[37]- الفتاوى الهندية ج ١ ص 162 (موافق للمطبوع) * البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 8 ص 567 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[38]- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 3ص 65 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ - 2000م.

اگر کوئی نہیں ہے تو یہ حکومت وقت کی ذمہ داری ہے، ارشاد نبوی ہے:

فان اشتجروا فإن السلطان ولي من لا ولي له تعليق شعيب الأرنؤوط : حديث صحيح وهذا إسناد حسن من أجل سليمان بن موسى[39]

فقہاء لکھتے ہیں:

أن لا يكون هناك ولي أصلا لقوله: صلى الله عليه وسلم "السلطان ولي من لا ولي له" ------- وأما القضاء فلأن القاضي لاختصاصه بكمال العلم والعقل والورع والتقوى والخصال الحميدة أشفق الناس على اليتامى فصلح وليا ، وقد قال عليه الصلاة والسلام: "السلطان ولي من لا، ولي له" إلا أن شفقته دون شفقة الأب والجد ؛ لأن شفقتهما تنشأ عن القرابة ، وشفقته لا،---[40]

مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8 .

* الميحط البرهاني ج 8 ص 696 المؤلف : محمود بن أحمد بن الصدر الشهيد النجاري برهان الدين مازه المحقق : الناشر : دار إحياء التراث العربي الطبعة :

عدد الأجزاء : 11.

[39]- مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 6 ص 165 حدىث نمبر : 25365 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6

الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها .

[40]- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 5 ص 242 و ج 11 ص 448 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م ،

إذا زوج القاضي صغيرة لا ولي لها ولم يكن السلطان أذن للقاضي في تزويج الصغائر ثم أذن له في ذلك فأجاز ذلك النكاح لم يجز، وإن كان قد أذن له قبل التزويج فزوج جاز[41]،

مطلقہ عورت کی معاشی کفالت کا مسئلہ

(۵)بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد عورت اپنی معاشی ضروریات کے لئے مجبور ہو جاتی ہے ،پھر اسے ہی اپنے بچوں کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے ،اس لئے اس کی وضاحت کی جائے کہ مطلقہ عورتوں کا نفقہ کن رشتہ داروں پر واجب ہوگا؟اور اگر وہ نفقہ ادا نہیں کررہاہے ،تو اب اس کی گذراوقات کی کیا صورت ہوگی؟

نکاح ثانی بہت سے مسائل کا حل ہے

(الف)شریعت اسلامی میں اس کا حل موجود ہے ،مطلقہ عورت عدت تک اپنے شوہر سے نفقہ وصول کرے گی ،عدت ختم ہونے کے بعد اگر اس کو کوئی مناسب رشتہ مل جائے تو شریعت ترجیحی طور پر اس کو نکاح ثانی کی تلقین کرتی ہے ،نکاح ثانی اسلام میں بہت سے مسائل کا حل ہے، بے اولاد شخص کو اولاد مل سکتی ہے ،بے آسرا خاتون کو ایک نیا گھر مل سکتا ہے، غیر شادی شدہ لوگوں کی کثرت کی

41- المحيط البرهاني ج 3 ص 134 المؤلف : محمود بن أحمد بن الصدر الشهيد النجاري برهان الدين مازه المحقق : الناشر : دار إحياء التراث العربي الطبعة :
عدد الأجزاء : 11.

وجہ سے معاشرہ میں جو اخلاقی بحران پیدا ہوسکتا ہے اس سے نجات مل سکتی ہے ،وغیرہ،اسی لئے شریعت نے نکاح ثانی کی بڑی ترغیب دی ہے،اللہ پاک کو یہ پسند نہیں ہے کہ بہت زیادہ دنوں تک کوئی انسان بے نکاح کے معاشرے میں رہے ،آج معاشرتی خرابی ،اور تہذیبی فساد کی بناپر انسان اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہوتا اور پھر شکوہ کرتا ہے کہ اسلام میں اس کا حل کیاہے ؟آج ہندوانہ تہذیبی اختلاط کی بناپر ہماری اکثریت نکاح ثانی کو معیوب تصور کرتی ہے،جس کی وجہ سے بہت سی بے سہاراعورتوں اوربچوں کی کفالت کامسئلہ ہمارے لئے چیلنج بن کر سامنے آتا ہے ،قرآن کریم کا اعلان ہے کہ نکاح سے رزق کے دروازے کھلتے ہیں اورزندگی میں خوشحالی پیدا ہوتی ہے:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (32) وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ[42]

ترجمہ : تم میں جو بے شادی شدہ اور نیک بندے اور بندیاں ہوں ان کا نکاح کرادو،اگر وہ فقیر ہونگے ،اللہ پاک اپنے فضل سے ان کو مالدار کردے گا ،اللہ پاک بڑی وسعت والا اور علم والاہے،لوگوں کوچاہئے کہ نکاح کے ذریعہ عفت حاصل کریں تاکہ اللہ پاک ان کو اپنے فضل سے غنی فرمادے۔

"ایامی "ایم کی جمع ہے،اس کے معنٰی ہیں "بغیر جوڑے کا آدمی "خواہ وہ

---

[42]-النور : 32 -

بالکلیہ غیر شادی شدہ ہو یا شادی کے بعد اس کا جوڑا ختم ہو گیا ہو[43]،

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے تھے کہ نکاح کے معاملے میں حکم الٰہی پر عمل کرو اللہ پاک اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا ،اور اور تم کو مالدار بنادے گا ۔۔۔۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے کہ غنا کو نکاح کے ذریعہ تلاش کرو[44]۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک انتہائی محتاج شخص جس کے پاس اس کے جسم کے کپڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا،کا نکاح ایک عورت سے فرمادیا تھا، ظاہر ہے اس کے پیچھے یہی وعدۂ ربانی کار فرما تھا:

حدثنا سهل بن سعد : كنا عند النبي صلى الله عليه و سلم جلوسا فجأته امرأة تعرض نفسها عليه فخفض فيها النظر ورفعه فلم يردها فقال رجل من أصحابه زوجنيها يا رسول الله قال (أعندك من شيء) . قال ما عندي من شيء قال (ولا خاتما من حديد) . قال ولا خاتم من حديد ولكن أشق بردتي هذه لاعطيها النصف وآخذ النصف قال (هل معك من القرآن شيء) . قال نعم قال (اذهب

---

[43]- تفسير القرآن العظيم ج 6 ص 51 المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ)المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ - 1999 م عدد الأجزاء : 8 -

[44]-حوالۂ بالا ۔

فقد زوجتكها بما معك من القرآن[45])

مطلقہ بیٹی کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے

اگر کوئی مناسب رشتہ نہ ملے اور والد زندہ اور صاحب استطاعت ہو تو والد پر یہ ذمہ داری لوٹ آتی ہے،جو اس کا اور اس کے نابالغ بچوں کا خرچ اٹھائے ،بیٹی شادی کے بعد گھر بیٹھ جائے تو اس کا خرچ اٹھانا بار نہیں بلکہ حدیث کی روشنی میں باعث خیر وبرکت ہے:

عن سراقة بن مالك أن النبي صلى الله عليه و سلم: قال (ألا أدلكم على أفضل الصدقة ؟ ابنتك مردودة إليك ليس لها كاسب غيرك[46])

بشرطیکہ باپ صاحب استطاعت ہو، فقہاء لکھتے ہیں:

★الاول ان يكون الاب غنيا والاولاد كبارا فإما اناث او ذكور فالاناث عليه نفقتهن الى ان يتزوجن اذا لم يكن لهن مال وليس

---

[45]- الجامع الصحيح المختصر ج 5 ص 1972 حدیث نمبر : 4839 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

[46]- : سنن ابن ماجه ج 2 ص 1209 حدیث نمبر : 3667 المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2 مع الكتاب : تعليق محمد فؤاد عبد الباقي والأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها

له ان يؤاجرهن في عمل ولا خدمة وان كان لهن قدرة واذا طلقت وانقضت عدتها عادت نفقتها على الاب[47]

☆قوله (ومثله كبير زمن) المراد به الابن العاجز عن الكسب لمرض أو غيره كما سيأتي بيانه قوله (وأنثى مطلقا) أي ولو غير مريضة لأن مجرد الأنوثة عجز ط والمراد بها البنت الفقيرة [48]

*قال في الذخيرة ولو كان للفقير أولاد صغار وجد موسر يؤمر الجد بالإنفاق صيانة لولد الولد ويكون دينا على والدهم هكذا ذكر القدوري فلم يجعل النفقة على الجد حال عسرة الأب وهذا قول الحسن بن صالح والصحيح في المذهب أن الأب الفقير يلحق بالميت في استحقاق النفقة على الجد وإن كان الأب زمنا يقضي بها على الجد بلا رجوع اتفاقا لأن نفقة الأب حينئذ على الجد فكذا نفقة الصغار ا هـ[49]

---

[47]- شرح فتح القدير ج 4 ص 410 كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت عدد الأجزاء

[48]- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 3 ص 604 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ - 2000م.
مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8

[49]- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 3 ص 615 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ - 2000م.
مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8

باپ نہ ہو تو دیگر رشتہ دار نفقہ کے ذمہ دار ہیں

اگر خود اولاد بالغ اور کمانے والی ہو تو ماں کا خرچ اٹھانا اس کی ذمہ داری ہے

ویجبر الرجل الموسر علی نفقة أبیه وأمه إذا كانا محتاجين قلت لكن يخالف هذا ما سيأتي قريبا عن الفتح لو كان كل منهما أي الأب والابن كسوبا يجب أن يكتسب الابن وينفق على الأب[50] .

اگر باپ زندہ یا اس لائق نہ ہو اور اولاد بھی چھوٹی ہو تو بھائی پر اس کا نفقہ عائد ہو گا، بھائی نہ ہو تو چچا پھر ماموں اور دیگر قریب تر رشتہ داروں کو درجہ بدرجہ یہ بار اٹھانا ہو گا:

(وَلِقَرِيبٍ مَحْرَمٍ فَقِيرٍ عَاجِزٍ عن الْكَسْبِ بِقَدْرِ الْإِرْثِ لو مُوسِرًا) يَعْنِي تَجِبُ النَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ إذَا كان فَقِيرًا عَاجِزًا عن الْكَسْبِ لِصِغَرِهِ أو لِأُنُوثَتِهِ أو لِعَمًى أو لِزَمَانَةٍ , وكان هو مُوسِرًا لِتَحَقُّقِ الْعَجْزِ بِهَذِهِ الْأَعْذَارِ , وَالْقُدْرَةِ عليه بِالْيَسَارِ , وَيَجِبُ ذلك بِقَدْرِ الْإِرْثِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى { وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذلك } فَجَعَلَ الْعِلَّةَ هِيَ الْإِرْثُ فَيَتَقَدَّرُ الْوُجُوبُ بِقَدْرِ الْعِلَّةِ , وفي قِرَاءَةِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ , وَهِيَ مَشْهُورَةٌ فَجَازَ التَّقْيِيدُ بها , وَيُجْبَرُ على ذلك لِأَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عليه , وَشَرَطَ أَنْ يَكُونَ عَاجِزًا عن

---

[50]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 11 ص 361 المؤلف : زين الدين بن إبراهيم بن نجيم ، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى : 970هـ)

الْكَسْبِ فإن الْقَادِرَ عليه غَنِيٌّ بِهِ[51]

وكذلك لو كان له عم وخال لما قلنا، ولو كان له عمة وخالة أو خال فالنفقة عليهما أثلاثا: ثلثاها على العمة والثلث على الخال أو الخالة، ولو كان له خال وابن عم فالنفقة على الخال لا على ابن العم؛ لأنهما ما استويا في سبب الوجوب وهو الرحم المحرم للقطع؛ إذ الخال هو ذو الرحم المحرم واستحقاق الميراث للترجيح والترجيح يكون بعد الاستواء في ركن العلة ولم يوجد، ولو كان له عمة وخالة وابن عم فعلى الخالة الثلث وعلى العمة الثلثان لاستوائهما في سبب استحقاق الإرث فيكون النفقة بينهما على قدر الميراث ولا شيء على ابن العم لانعدام سبب الاستحقاق في حقه وهو القرابة المحرمة القطع[52]،

بوقت ضرورت عورتوں کے لئے ملازمت کی گنجائش ہے

اگر کوئی موجود نہ ہو تو شریفانہ باپردہ ملازمت کی کہیں کوشش کرے کہ ضرورت مند عورتوں کو (جن کو اندرون خانہ معاش کا انتظام نہ ہو) شریعت نے خود

---

[51]- تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 64 فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر 1313هـ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء 6*3

[52]- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج 9 ص 94 تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م .

کمانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے:

إذ المتوفى عنها زوجها إنما أبيح لها الخروج لضرورة اكتساب النفقة ، فإذا قدرت عليها فلا ضرورة تلحقها بخلاف المطلقة فإن نفقتها عليه وبهذا اتضح الفرق وقد رجع رحمه الله تعالى في آخر كلامه إلى هذا ا هـــ .

قلت وعبارة المجتبى شاهدة بذلك ونصها والمتوفى عنها زوجها تخرج نهارا وبعض الليل ؛ لأنه لا نفقة لها فتحتاج إلى الخروج نهارا لطلب المعاش وقد يهجم عليها الليل ولا كذلك المطلقة ؛ لأن النفقة دارة عليها من مال الزوج ا هـــ[53] .

شرعاً کن حالات میں طلاق دینا جائز ہے؟

(٦)شرعاً کن حالات میں کس عورت کو طلاق دینا جائز ہے ؟خاص کر ہندوستان کے پس منظر میں اس کی وضاحت فرمائیں،کیونکہ اسلامی تعلیمات سے دوری ،لڑکیوں کا رشتہ حاصل کرنے میں مشکلات ،شادی کی گراں باری ،شرعی طریقے پر نزاعات کے حل کرنے والے اداروں کی قوت تنفیذ سے محرومی اور مطلقہ عورتوں کی بے سہارا زندگی کی وجہ سے فتنہ کے اندیشوں نے یہاں کے حالات کو قدیم مسلم معاشرہ اور عرب ممالک کے حالات سے بہت مختلف بنادیا ہے۔

---

[53] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 11 ص 135 المؤلف : زين الدين بن إبراهيم بن نجيم ، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى : 970هـــ)

بے ضرورت طلاق دینا جرم ہے

طلاق عام حالات میں ایک ناپسندیدہ چیز ہے، اس لئے کہ اس سے رشتے ٹوٹتے ہیں، خاندانی فساد پیدا ہوتا ہے، نکاح کے مصالح اور اجتماعی مفادات متأثر ہوتے ہیں، اولاد کی تعلیم وتربیت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی لئے جب تک کہ نباہ کی صورت ناممکن نہ ہوجائے، عورت کی کمیوں اور خامیوں کے باوجود اس کو طلاق دینے کی ممانعت آئی ہے، قرآن کریم میں ہے:

وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا[54]

ایک حدیث پاک میں ارشاد ہے:

عن عبد الله بن عمر قال:–قال رسول الله صلى الله عليه و سلم (أبغض الحلال إلى الله الطلاق)[55] .

ناگزیر حالات میں طلاق ایک سماجی ضرورت ہے

معمول کے حالات میں طلاق دینا جرم ہے، لیکن ناگزیر حالات میں ایک

---

[54]-النساء :34

[55]- سنن ابن ماجه ج 1 ص 650 حدیث نمبر : 2018 المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2 مع الكتاب : تعليق محمد فؤاد عبد الباقي .

سماجی ضرورت بھی ہے، ازدواجی ناخوشگوار حالات میں دشواریوں کے ایک حل کے طور پر اس کو قبول کیا گیا ہے، یعنی جب مرد کا عورت کے ساتھ ایک چھت کے نیچے زندگی گذارنا مشکل ہو جائے، اور باہمی موافقت کی کوئی صورت باقی نہ رہے، بالفاظ دیگر مرد و عورت دونوں کے لئے زندگی عذاب ہو جائے تو اس سے خلاصی کے لئے طلاق سے بہتر کوئی راستہ موجود نہیں ہے،۔۔۔۔۔

یعنی ساری زندگی اسی عذاب میں گذار دی جائے، اور ایک ہی چھت کے نیچے دونوں اجنبی بن کر رہیں،۔۔۔۔۔۔ یا عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر ایک طویل ،صبر آزما اور گراں بار سلسلہ کا آغاز کیا جائے ۔۔۔۔۔۔ یا پھر مصیبت سے چھٹکارے کے لئے خود کشی یا ایک دوسرے کے قتل کا راستہ اختیار کیا جائے ،۔۔۔۔۔۔ان سب سے آسان ،اور سہل الحصول صورت یہ ہے کہ طلاق کے ذریعہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو جائیں ، قرآن کریم نے ضرورت کے حالات میں ہی طلاق کی اجازت دی ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (236) وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلَا تَنْسَوُا

الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ[56] (237)

ضرورت کے وقت خود رسول اللہ ﷺ سے بھی طلاق دینا ثابت ہے، حضور ﷺ نے ایک بار حضرت حفصہؓ کو طلاق دی تھی، پھر بحکم الٰہی رجوع فرمالیا، اسی طرح کئی صحابہ سے بھی اس کا ثبوت ملتاہے، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عوفؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، اور حضرت حسن بن علیؓ وغیرہ نے بھی اپنی ازواج کو طلاقیں دی تھیں:

أن النبي صلى الله عليه و سلم طلق حفصة فأتاه جبريل عليه الصلاة و السلام فقال : يا محمد طلقت حفصة و هي صوامة قوامة و هي زوجتك في الجنة فراجعهاتعليق الذهبي قي التلخيص : سكت عنه الذهبي في التلخيص[57]

*وطلق النبي صلى الله عليه وسلم حفصة رضي الله عنها فأمره الله تعالى أن يراجعها فإنها صوامة قوامة } ولم يكن هناك ريبة ولا كبر سن وكذا الصحابة رضي الله عنهم فإن عمر رضي الله عنه طلق أم عاصم وابن عوف تماضر والمغيرة بن شعبة أربع نسوة والحسن بن علي رضي الله عنهما استكثر النكاح ، والطلاق بالكوفة فقال علي رضي الله عنه على المنبر : إن ابني هذا مطلاق فلا تزوجوه

---

[56]-البقرة :236،237-

[57]- المستدرك على الصحيحين ج 4 ص 17 حدیث نمبر : 6754 المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1411 – 1990 تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 4 مع الكتاب : تعليقات الذهبي في التلخيص

فقالوا نزوجه ثم نزوجه ثم نزوجه ا هـ[58]

جواز طلاق کی صورتیں

فقہاء نے بے دینی مثلاًترک نماز، بے حیائی، بدکاری، ایذارسانی، بدزبانی ،وغیرہ کو بھی ضرورت کی بنیادوں میں شمار کیا ہے ،یعنی ان صورتوں میں طلاق کا جواز فراہم ہوجاتاہے ، بعض صورتوں میں فقہاء نے طلاق کو مستحب بھی قرار دیا ہے، مثلاًترک نماز اور ایذارسانی کی صورتیں:

قوله (بل يستحب) إضراب انتقالي ط قوله (لو مؤذية) أطلقه فشمل المؤذية له أو لغيره بقولها أو بفعلها ط قوله (أو تاركة صلاة) الظاهر أن ترك الفرائض غير الصلاة كالصلاة وعن ابن مسعود لأن ألقى الله تعالى وصداقها بذمتي خير من أن أعاشر امرأة لا تصلي ط قوله (ومفاده) أي مفاد استحباب طلاقها وهذا قاله في البحر[59]

لیکن اصل چیز ہے ذہنی ناموافقت ،اور آخری درجہ کا شقاق واختلاف ،اگر تمام خرابیوں کے باوجود شوہر عورت کے ساتھ حسن سلوک کر سکتا ہو، دونوں

---

[58]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 9 ص 98المؤلف : زين الدين بن إبراهيم بن نجيم ، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى : 970هـ)

[59]- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 3ص 229 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ - 2000م.
مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8 .

ایک دوسرے سے راضی ہوں اور حقوق زوجیت اور حدود الٰہی کی ادائیگی میں کوئی دشواری نہ ہو تو طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے، صرف اصلاح حال کی ضرورت ہے، فقہاء نے اس کی بھی وضاحت کی ہے :

وفي آخر حظر المجتبى: لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلا إذا خافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس أن يتفرقا،[60]

وفي الْمُجْتَبَى من آخِرِ الْحَظْرِ وَالْإِبَاحَةِ لَا يَجِبُ على الزَّوْجِ تَطْلِيقُ الْفَاجِرَةِ وَلَا عليها تَسْرِيحُ الْفَاجِرِ إلَّا إذَا خَافَا أَنْ لَا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَتَفَرَّقَا ا هـــ[61]

وفي غاية البيان : يستحب طلاقها إذا كانت سليطة مؤذية أو تاركة للصلاة لا تقيم حدود الله تعالى ا هـــ .وهو يفيد جواز معاشرة من لا تصلي ولا إثم عليه بل عليها[62]

---

[60]- الدر المختار ، شرح تنوير الأبصار في فقه مذهب الإمام أبي حنيفة ج 3 ص 55 المؤلف : محمد ، علاء الدين بن علي الحصكفي (المتوفى : 1088هـــ) -* حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 6 ص 427 عابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـــ – 2000م.مكان النشر بيروت.

عدد الأجزاء 8 -

[61]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 115 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـــ/ سنة الوفاة 970هـــ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[62]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 9 ص 99 المؤلف : زين الدين بن إبراهيم بن نجيم ، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى : 970هـــ)

طلاق ہر زمان ومکان کے لئے ایک شرعی حل ہے

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق ازدواجی زندگی میں رونما ہونے والے نزاعات واختلافات اور مسائل ومشکلات کا ایک شرعی حل ہے، اور کسی بھی حل کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب ایسے حالات پیدا ہوں، اگر ایسے حالات پیدا نہ ہوں تو خواہ انسان کسی بھی زمان ومکان میں رہے اس کی نہ ضرورت ہے اور نہ اجازت ہے:

وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر ، بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه ، وهو معنى قولهم الأصل فيه الحظر والإباحة للحاجة إلى الخلاص ، فإذا كان بلا سبب أصلا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص بل يكون حمقا وسفاهة رأي ومجرد كفران النعمة وإخلاص الإيذاء بها وبأهلها وأولادها ، ولهذا قالوا : إن سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالى [63]

لیکن اگر ازدواجی زندگی میں یہ ناگفتہ بہ حالات پیدا ہوگئے، تو علٰحدگی اور ازدواجی رشتے کے خاتمہ کے لئے کسی بھی نظام تمدن کے پاس طلاق سے آسان کوئی نسخہ موجود نہیں ہے خواہ انسان دنیا کے کسی حصے میں ہو،۔۔۔۔۔۔

یہ درست ہے کہ عرب کے حالات اور ہندوستان کے حالات میں بڑا

63- : رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار" ج 10 ص 428 المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ)

فرق ہے، لیکن اسلامی قانون ابدی اور آفاقی ہے، ہر زمان ومکان کے لئے اس میں مکمل ہدایات موجود ہیں، اور ان ہدایات میں بڑی معنویت اور دعوتی کشش موجود ہے، اسلام کے مخالفین نے اسلامی قوانین کی غلط تصویریں پیش کی ہیں، جن کی وجہ سے ہمارے اندر بھی ڈر، خوف، مرعوبیت اور احساس کمتری کے جراثیم پیدا ہوتے جارہے ہیں، ہندوستان جیسے ملکوں کی تہذیب میں نکاح ایک ایسا اٹوٹ رشتہ ہے جو سات جنم میں بھی نہیں ٹوٹ سکتا، حالات خواہ کیسے پیدا ہوجائیں، گھر کا ماحول کیسا ہی جہنم بن جائے، اس رشتہ سے نجات پانے کے لئے عورتیں زندہ جلائی جاسکتی ہیں، خودکشی کی واردات ہوسکتی ہیں، ایک دوسرے کا قتل کیا جاسکتا ہے، یا مقدمہ بازی اور عدالتوں کے چکر میں پوری جوانی ضائع کی جاسکتی ہے لیکن طلاق جیسا نسخۂ سہل قبول نہیں کیا جاسکتا، اس کا نام سنتے ہی وحشت سوار ہوجاتی ہے،۔۔۔۔ضرورت ہے کہ دنیا کو اسلام کے قانون طلاق کی معنویت اور اس کی ضرورت وافادیت سے آگاہ کیا جائے، نہ یہ کہ دین آفاقی کو بعض وقتی حالات کی بناپر جغرافیائی حدبندیوں کا اسیر کردیا جائے۔

تین طلاق دینے کی صورتیں

(۷) تین طلاق کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ تین کے عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دی جائے، اس سلسلے میں جمہور کا نقطۂ نظر یہ ہے، کہ تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ طلاق یا جملۂ طلاق کی

تکرار ہو، اس صورت میں مرد اگر اقرار کرتا ہے کہ وہ تین طلاق ہی دینا چاہتا تھا ،تب توتینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی،

(الف) لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ میرا مقصد ایک ہی طلاق دینا ہے، دوسری اور تیسری بار میں نے تاکیداً کہا ہے، یامیں نے سمجھا تھا کہ تین بار کہنے سے ہی طلاق واقع ہوتی ہے، مگر میرا ارادہ تین طلاق دینے کا نہیں تھا، تو اس صورت میں بعض فقہاء کے یہاں مطلقاً اس کی نیت کا اعتبار ہو گا، اور احناف کے یہاں قول دیانت اور قول قضا کا فرق کیا گیا ہے، فی الحال بعض اہل افتا قول دیانت پر فتویٰ دیتے ہیں اور بعض قول قضا پر، اس مسئلہ میں کون سا نقطۂ نظر زیادہ درست ہے؟

(ب) اس سلسلے میں فقہاء کا ایک قول "المرأۃ کالقاضی" بھی پیش کیا جاتا ہے ،نصوص شرعیہ میں اس کی کیا بنیاد ہے؟ کیا یہ صاحب مذہب اور ان کے اصحاب کا قول ہے؟ یا متقدمین کا؟ یا متأخرین کا؟ اور اس ضابطۂ فقہیہ کا منشا کیا ہے؟

فی زمانہ حنفیہ کا قول قضا زیادہ لائق ترجیح ہے—وجوہ ترجیح

(الف) الفاظ طلاق کی تکرار کی صورت میں جب کہ شوہر نے عدد کی صراحت نہ کی ہو، قول قضا یہ ہے کہ تین طلاق واقع ہو گی، اور قول دیانت یہ ہے کہ قسم کے ساتھ اس کی نیت کا اعتبار ہو گا، دونوں اقوال کی اپنی اپنی بنیادیں ہیں ،اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں، لیکن فی زمانہ قول دیانت کے بجائے قول قضا پر فتویٰ دینا زیادہ درست ہے، جس کے کئی اسباب ہیں:

☆قول قضا کی بنیاد ظاہر پر ہے ،اور قول دیانت کی بنیاد خلاف ظاہر پر ،ظاہر کو ہر شخص دیکھ اور سمجھ سکتا ہے اس لئے یہ زیادہ طاقتور اور قابل قبول ہے۔

لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ فَلَا يُصَدِّقُهُ الْقَاضِي كَمَا إذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ ، وَقَالَ إنَّمَا أَرَدْت بِهِ التَّكْرَارَ صُدِّقَ دِيَانَةً لَا قَضَاءً فَإِنَّ الْقَاضِيَ مَأْمُورٌ بِاتِّبَاعِ الظَّاهِرِ وَاَللَّهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ[64]

☆قول قضا تاسیس اور افادہ پر مبنی ہے جبکہ قول دیانت تاکید اور اعادہ پر ،تاسیس اور افادہ زیادہ معقول اور لائق عمل ہے:

وَإِذَا دَارَ الْأَمْرُ بَيْنَ التَّأْسِيسِ وَالتَّأْكِيدِ تَعَيَّنَ الْحَمْلُ عَلَى التَّأْسِيسِ كَمَا فِي الْأَشْبَاهِ وَيُصَدَّقُ دِيَانَةً أَنَّهُ قَصَدَ التَّأْكِيدَ وَيَقَعُ عَلَيْهِ بِذَلِكَ طَلْقَةٌ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ دِيَانَةً حَيْثُ نَوَاهَا فَقَطْ[65]

☆قول قضا کی بنیاد وجود شے پر ہے جب کہ قول دیانت کی بنیاد عدم پر ،وجود عدم سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔

☆قول قضا دلیل کے ساتھ مربوط ہے اس کو ثابت کرنا آسان ہے، جب کہ قول دیانت کو ثابت کرنا آسان نہیں، اسی لئے وہاں یمین کی ضرورت پڑتی ہے۔

لَكِنْ لَا يُصَدَّقُ أَنَّهُ قَصْدًا لِتَأْكِيدٍ إلَّا بِيَمِينِهِ لِأَنَّ كُلَّ مَوْضِعٍ

---

[64]- تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 2 ص 218المؤلف : فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي (المتوفى : 743هـ)

[65]- العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية [حنفي]ج 1 ص 264 المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ)

كَانَ الْقَوْلُ فِيهِ قَوْلَهُ إِنَّمَا يُصَدَّقُ مَعَ الْيَمِينِ لِأَنَّهُ أَمِينٌ فِي الْإِخْبَارِ عَمَّا فِي ضَمِيرِهِ وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِينِهِ كَمَا فِي الزَّيْلَعِيِّ وَأَفْتَى بِذَلِكَ التُّمُرْتَاشِيُّ[66]

وَكُلُّ مَوْضِعٍ كَانَ الْقَوْلُ فِيهِ قَوْلَهُ إِنَّمَا يُصَدَّقُ مَعَ الْيَمِينِ ؛ لِأَنَّهُ أَمِينٌ فِي الْإِخْبَارِ عَمَّا فِي ضَمِيرِهِ وَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِينِهِ[67]

☆قول قضا پر شوہر وبیوی دونوں اعتماد کرسکتے ہیں،دونوں کی اس میں رعایت ہے،جبکہ قول دیانت میں یک طرفہ صرف شوہر کی رعایت کی گئی ہے،اسی لئے اگر عورت کو شوہر کے دعویٰ پر اطمینان نہ ہو تو فقہاء نے المرأۃ کالقاضی کا ضابطہ بیان کیاہے:

وَقَالَ إِنَّمَا أَرَدْت بِهِ التَّكْرَارَ صُدِّقَ دِيَانَةً لَا قَضَاءً فَإِنَّ الْقَاضِيَ مَأْمُورٌ بِاتِّبَاعِ الظَّاهِرِ وَاَللَّهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ وَالْمَرْأَةُ كَالْقَاضِي لَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ تُمَكِّنَهُ إذَا سَمِعَتْ مِنْهُ ذَلِكَ أَوْ عَلِمَتْ بِهِ ؛ لِأَنَّهَا لَا تَعْلَمُ إلَّا الظَّاهِرَ[68]

☆یہ صدق ودیانت کے شدید بحران اور کذب وفجور کے شیوع کادور ہے ،اس دور میں کسی کی دیانت پر بھروسہ کرکے اس کی نیت کا اعتبار کرنا بہت

---

[66]-حوالۂ بالا ۔

[67]- تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 2 ص 198 فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي. الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر 1313هــ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء 6*3 ۔

[68]- تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج 2 ص 218 المؤلف : فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي (المتوفى : 743هــ

مشکل ہے ،فقہاء نے دیانات کے باب میں اعتبار اور قبولیت کے لئے عدالت کی شرط لگائی ہے ،تو جس دور میں عدالت ودیانت عنقا ہوتی جارہی ہو اس میں قول دیانت کومعیار بنانامعدوم پر بنیادرکھنے کے مترادف ہو گا:

(وشرط العدالة في الديانات) هي التي بين العبد والرب------(ويتحرى في) خبر (الفاسق) بنجاسة الماء (و) خبر (المستور ثم يعمل بغالب ظنه-------احتراز عما إذا تضمنت زوال ملك كما إذا أخبر عدل أن الزوجين ارتضعا من امرأة واحدة لا تثبت الحرمة لأنه يتضمن زوال ملك المتعة فيشترط العدد والعدالة جميعا[69]

☆قول دیانت کو معمول بہ بنانے کے بعد ہر شخص خواہ اس کی نیت ہو یا نہ ہو یہی باور کرانے کی کوشش کرے گا کہ میری نیت ایک ہی طلاق کی تھی،اس سے فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔

☆تمام کتب متون وفتاویٰ میں قول قضا کو اختیار کیا گیا ہے ،اور قول دیانت کو قابل تصدیق قرار دیا گیاہے ،یعنی ترتیب میں قول اول قول قضاہے، قول دیانت کا درجہ اس کے بعد ہے، قول قضا براہ راست قابل قبول ہے،جب کہ قول دیانت کے لئے سوال وجواب اور تصدیق کی ضرورت ہے، قول قضا کی قبولیت کے

---

[69]- حاشية رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 6 ص 346 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ – 2000م.
مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8

لئے نہ دعویٰ کی ضرورت ہے اور نہ دلیل کی، جب کہ قول دیانت میں ضروری ہے کہ شوہر اپنی نیت کا دعویٰ پیش کرے، پھر حالات کے مطابق اس کی تصدیق کی جائے گی:

وَقَالَ فِي الْخَانِيَّةِ لَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ طَالِقٌ أَنْتِ طَالِقٌ وَقَالَ أَرَدْت بِهِ التَّكْرَارَ صُدِّقَ دِيَانَةً وَفِي الْقَضَاءِ طَلُقَتْ ثَلَاثًا[70]

☆قول دیانت کے معتبر ہونے کے لئے قرائن وشواہد کی ضرورت ہے، قرائن وآثار سے جب تک اطمینان نہ ہو، پھر شوہر قسم کھاکر اس پر یقین دلائے اس وقت تک شوہر کی تصدیق نہیں کی جائے گی، جب کہ قول قضا کے لئے کسی قرینہ ودلیل کی ضرورت نہیں ہے:

كما يصدق ديانة لوجود القرينة الدالة على عدم إرادة الإيقاع وهي الإكراه ط قوله (كما لو صرح الخ) أي فإنه يصدق قضاء وديانة إلا إذا قرنه بالعدد فلا يصدق أصلا [71]

☆الفاظ صریح نیت کے محتاج نہیں ہیں، اسی لئے قضاءً الفاظ کے صرف وہ معنٰی معتبر ہوتے ہیں، جو صراحتاً سمجھ میں آتے ہیں، ان لفاظ کے پیچھے بولنے

---

[70]- العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية [حنفي] ج 1 ص 264 المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ)

[71]- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 3 ص 252 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ - 2000م.
مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 8 .

والے کی نیت کیا ہے، وہ امر باطن ہے، اس کو اللہ کے سوا کون جان سکتا ہے، اس لئے بغیر دلیل جو بات مانی جاسکتی ہے وہ زیادہ طاقتور ہے، اور صراحت کے مقتضا سے زیادہ ہم آہنگ ہے:

وَالْحَاصِلُ أَنَّ قَوْلَهُمْ الصَّرِيحَ لَا يَحْتَاجُ إلَى النِّيَّةِ إنَّمَا هو في الْقَضَاءِ أَمَّا في الدِّيَانَةِ فَمُحْتَاجٌ إلَيْهَا لَكِنَّ وُقُوعَهُ في الْقَضَاءِ بِلَا نِيَّةٍ إنماهو بِشَرْطِ أَنْ يَقْصِدَهَا بِالْخِطَابِ بِدَلِيلِ ما قالوا لو كَرَّرَ مَسَائِلَ الطَّلَاقِ بِحَضْرَةِ زَوْجَتِهِ وَيَقُولُ أَنْتِ طَالِقٌ وَلَا يَنْوِي لَا تَطْلُقُ[72]

☆طلاق کا مسئلہ اس قدر حساس ہے کہ اس میں انسان اکثر موضع تہمت میں ہوتا ہے، اور موضع تہمت میں احتیاط کو بہتر قرار دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مذاق میں بھی صریح طلاق بولنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، بلکہ الفاظ طلاق کے معنیٰ بھی نہ جانتا ہو تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، یا بولنے کا ارادہ کچھ تھا اور زبان سے بے اختیار الفاظ طلاق نکل گئے، جب بھی طلاق واقع ہو جائے گی، یہ نظائر اس بات کی دلیل ہیں کہ طلاق کے باب میں شوہر اکثر مقام تہمت پر ہوتا ہے، اس لئے مناسب ہے کہ امر ظاہر کی بنیاد پر وقوع طلاق کا فیصلہ کیا جائے۔

لَا يُشْتَرَطُ الْعِلْمُ بِمَعْنَاهُ فَلَوْ لَقَّنَتْهُ لَفْظَ الطَّلَاقِ فَتَلَفَّظَ بِهِ غير عَالِمٍ بِمَعْنَاهُ وَقَعَ قَضَاءً لَا دِيَانَةً ------- وَالطَّلَاقُ وما معه يُقَاسُ على

---

[72]- البحر الرائق شرح كتر الدقائق ج 3 ص 279 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت-

النِّكَاحِ بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْإِبْرَاءِ لَا يَصِحَّانِ إذَا لم يَعْلَمْ الْمَعْنَى كما في الْخَانِيَّةِ -------- وَأَفَادَ أَنَّ طَلَاقَ الْهَازِلِ وَاللَّاعِبِ والمخطىء (((والمخطئ))) وَاقِعٌ كما قَدَّمْنَاهُ لَكِنَّهُ في الْقَضَاءِ وَأَمَّا فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا يَقَعُ على المخطىء--------وما في الْخُلَاصَةِ من أَنَّ طَلَاقَ المخطىء وَاقِعٌ أَيْ في الْقَضَاءِ بِدَلِيلِ أَنَّهُ قال بَعْدَهُ وَلَوْ كان بِالْعَتَاقِ يُدَيَّنُ لِأَنَّهُ لَا فَرْقَ بين الْعَتَاقِ وَالطَّلَاقِ وهو الظَّاهِرُ من قَوْلِ الْإِمَامِ كما في الْخَانِيَّةِ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ ------ مَحْمُولٌ على الْقَضَاءِ أَمَّا في الدِّيَانَةِ فَلَا يَقَعُ على وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا لِمَا في الْحَاوِي مَعْزِيًّا إلَى الْجَامِعِ الصَّغِيرِأَنَّ أَسَدًا سُئِلَ عَمَّنْ أَرَادَ أَنْ يَقُولَ زَيْنَبُ طَالِقٌ فَجَرَى على لِسَانِهِ عَمْرَةُ على أَيِّهِمَا يَقَعُ الطَّلَاقُ فقال في الْقَضَاءِ تَطْلُقُ التي سَمَّى وَفِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى لَا تَطْلُقُ وَاحِدَةٌ مِنْهُمَا أَمَّا التي سَمَّى فُلَانَةُ لم يُرِدْهَا وَأَمَّا غَيْرُهَا فَلِأَنَّهَا لو طَلُقَتْ طَلُقَتْ بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ قال في فَتْحِ الْقَدِيرِ وَأَمَّا ما رَوَى عنهما نُصَيْرٌ من أَنَّ من أَرَادَ أَنْ يَتَكَلَّمَ فَجَرَى على لِسَانِهِ الطَّلَاقُ يَقَعُ دِيَانَةً وَقَضَاءً فَلَا يُعَوَّلُ عليها ا هـ[73]

وَطَلَاقُ اللَّاعِبِ وَالْهَازِلِ بِهِ وَاقِعٌ وَكَذَلِكَ لَوْ أَرَادَ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِكَلَامٍ فَسَبَقَ لِسَانُهُ بِالطَّلَاقِ فَالطَّلَاقُ وَاقِعٌ كَذَا فِي الْمُحِيطِ[74]

---

[73]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 279 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[74] - الفتاوى الهندية [حنفي] ج 8 ص 90 المؤلف : لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي

☆قول دیانت اس لئے بھی کمزور ہے کہ وہ صرف شوہر کے نزدیک مقبول ہے،نہ یہ عدالت میں قابل قبول ہے،اور نہ عورت کے نزدیک،یعنی شوہر کا دعویٰ اگر ظاہر کے خلاف ہے،اور قرائن وشواہد اس کی تصدیق نہیں کرتے،تو نہ عدالت اس دعویٰ کے حق میں فیصلہ دے سکتی ہے اور نہ عورت اس پر یقین کرنے کی پابند ہے،بشرطیکہ اسے اپنے علم کی روشنی میں یا قرائن وشواہد کی بنیاد پر شوہر کے جھوٹا ہونے کا یقین ہو گو کہ مفتی نے اس کی نیت کا اعتبار کر لیا ہو۔۔۔۔

اس لئے کہ قاضی بھی ظاہر کا پابند ہوتا ہے اور عورت بھی، قاضی حدود کے علاوہ بہت سے معاملات میں اپنے ذاتی علم وواقفیت کی روشنی میں فیصلہ کر سکتا ہے:

وبه علم أنه في الحدود الخالصة لله تعالى لا ينفذ كما صرح به في شرح أدب القضاء معللا بأن كل واحد من المسلمين يساوي القاضي فيه وغير القاضي إذا علم لا يمكنه إقامة الحد فكذا هو ثم قال إلا في السكران أو من به أمارة السكر ينبغي أن يعزره للتهمة ولا يكون حدا ا هـــ قوله (ومن لا فلا) قال في الفتح إلا أن التفاوت هنا هو أن القاضي يكتب بالعلم الحاصل قبل القضاء بالإجماع قوله (إلا أن المعتمد) أي عند المتأخرين لفساد قضاة الزمان وعبارة الأشباه الفتوى اليوم على عدم العمل بعلم القاضي في زماننا كما في جامع الفصولين قوله (وفيها) أي في الأشباه نقلا عن السراجية لكن

في منية المفتي الملخصة من السراجية التعبير بالقاضي لا بالإمام حيث قال القاضي يقضي بعلمه بحد القذف والقصاص والتعزير ثم قال قضى بعلمه في الحدود الخالصة لله تعالى لا يجوز ا هــ

أفاده بعض المحشين وهذا موافق لما مر عن الفتح من الفرق بين الحد الخالص لله تعالى وبين غيره ففي الأول لا يقضي اتفاقا بخلاف غيره فيجوز القضاء فيه بعلمه وهذا على قول المتقدمين وهو خلاف المفتي به كما علمت[75]

"المرأۃ کالقاضی" کا مقصد

اسی طرح عورت بھی اگر خود الفاظ طلاق اپنے کان سے سن لے یا کسی معتبر شاہد نے اس کے سامنے اس کی شہادت دی تو اس کو حق ہو گا کہ شوہر کے دعویٰ کو مسترد کردے، اور اس کی نیت پر اعتبار نہ کرے، اور بظاہر بیوی رہ کر بھی اس کو اپنے اوپر قابو نہ دے، (بلکہ اس صورت میں روکنا واجب ہو گا،) شوہر سے نجات پانے کے لئے وہ کوئی بھی جائز تدبیر (قتل وخود کشی وغیرہ کے علاوہ) اختیار کرسکتی ہے، شوہر کو دوبارہ نکاح کرنے پر مجبور کرسکتی ہے، عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتی ہے، اور کوئی صورت کامیاب نہ ہو تو شوہر کے گھر سے فرار بھی ہو سکتی

---

[75]- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 5 ص 439 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هــ – 2000م.
مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

ہے، اس پر اسے کوئی گناہ نہ ہو گا۔۔۔۔اور اگر وہ شوہر سے اپنے آپ کو نہ بچا سکی تو شوہر گناہ گار ہو گا، عورت نہیں۔۔۔۔۔

"المرأة کالقاضی" کا حاصل یہی ہے، اور ہماری اکثر کتب فقہیہ میں اسی پس منظر میں اس ضابطہ کو نقل کیا گیا ہے:

وَالْمَرْأَةُ كَالْقَاضِي إذَا سَمِعَتْهُ أو أَخْبَرَهَا عَدْلٌ لَا يَحِلُّ لها تميكنه(تمكينه)وهكذا(هكذا)اقْتَصَرَ الشَّارِحُونَ

وَذَكَرَ في الْبَزَّازِيَّةِ وَذَكَرَ الْأُوزْجَنْدِيُّ أَنها تَرْفَعُ الْأَمْرَ إلَى الْقَاضِي فَإِنْ لم يَكُنْ لها بَيِّنَةٌ تحلفه(يحلفه) فَإِنْ حَلَفَ فَالْإِثْمُ عليه ا هـــ وَلَا فَرْقَ في الْبَائِنِ بين الْوَاحِدَةِ وَالثَّلَاثِ ا هـــ وَهَلْ لها أَنْ تَقْتُلَهُ إذَا أَرَادَ جماعا(جماعها) بَعْدَ عِلْمِهَا بِالْبَيْنُونَةِ فيه قَوْلَانِ وَالْفَتْوَى أَنَّهُ ليس لها أَنْ تَقْتُلَهُ وَعَلَى الْقَوْلِ بِقَتْلِهِ تَقْتُلُهُ بِالدَّوَاءِ فَإِنْ قَتَلَتْهُ بِالسِّلَاحِ وَجَبَ الْقِصَاصُ عليها وَلَيْسَ لها أَنْ تَقْتُلَ نَفْسَهَا وَعَلَيْهَا أَنْ تَفْدِيَ نَفْسَهَا بِمَالٍ أو تَهْرُبَ وَلَيْسَ له أَنْ يَقْتُلَهَا إذَا حَرُمَتْ عليه وَلَا يَقْدِرُ أَنْ يَتَخَلَّصَ منها بِسَبَبِ أَنَّهُ كُلَّمَا هَرَبَ رَدَّتْهُ بِالسِّحْرِ[76]

لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ وَالْمَرْأَةُ كَالْقَاضِي لَا يَحِلُّ لَهَا أَنْ تُمَكِّنَهُ

---

[76]-البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص 279 زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـــ/ سنة الوفاة 970هـــ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

إِذَا سَمِعَتْ مِنْهُ ذَلِكَ أَوْ شَهِدَ بِهِ شَاهِدُ عَدْلٍ عِنْدَهَا[77]

وإذا لم يُصَدَّقْ قَضَاءً لَا يَسَعُهَا الْإِقَامَةُ معه إلَّا بِنِكَاحٍ مُسْتَقْبَلٍ لِأَنَّهَا كَالْقَاضِي[78]

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل لا يحل لها تمكينه والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدي نفسها بمال أو تهرب كما أنه ليس له قتلها إذا حرمت عليه وكلما هرب ردته بالسحروفي البزازية عن الأوزجندي أنها ترفع الأمر للقاضي فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه اه قلت أي إذا لم تقدر على الفداء أو الهرب ولا على منعه عنها فلاينافي ما قبله[79]

---

[77]- تبين الحقائق شرح كنز الدقائق فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.ج 2 ص 198 الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر 1313هـ.مكان النشر القاهرة.عدد الأجزاء 6*3

*وكذافي العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية [حنفي]ج 1 ص 264المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ)

* درر الحكام شرح غرر الأحكام ج 4 ص 209 المؤلف : محمد بن فراموز الشهير بمنلا خسرو (المتوفى : 885هـ)

[78]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص336زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[79]- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 3 ص 251 ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ - 2000م.

مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

ضابطہ کی بنیاد

اس ضابطہ کی بنیاد ظاہر وباطن کے ٹکراؤ پر ہے ،یعنی جو باطن تک نہیں پہونچ سکتا اس پر ظاہر کی رعایت واجب ہے ،اور جو باطن تک پہونچ سکتا ہو اس پر باطن کے مطابق عمل کرنا واجب ہے ،اس کی ایک اور نظیر کتب فقہ میں نااہل مفتی سے فتویٰ لینے سے متعلق آئی ہے، کسی نااہل مفتی نے تین طلاق کا فتویٰ دے دیا اور حاکم نے اس پر مہر تصدیق بھی لگادی، لیکن جب اہل مفتیوں سے فتویٰ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ تین طلاق واقع نہیں ہوئی ،ایسی صورت میں دیانۃً شوہر اپنی بیوی کو لوٹا سکتا ہے، گو کہ حکم حاکم اس کی تصدیق نہیں کرتا:

وفي الْقُنْيَةِ ظَنَّ أَنَّهُ وَقَعَ الطَّلَاقُ الثَّلَاثُ على امْرَأَتِهِ بِإِفْتَاءِ من لم يَكُنْ أَهْلًا لِلْفَتْوَى وَكَلَّفَ الْحَاكِمُ كَتْبَهَا في الصَّكِّ فَكُتِبَتْ ثُمَّ اسْتَفْتَى من هو أَهْلٌ لِلْفَتْوَى فَأَفْتَى بِأَنَّهَا لَا تَقَعُ وَالتَّطْلِيقَاتُ مَكْتُوبَةٌ في الصَّكِّ بِالظَّنِّ فَلَهُ أَنْ يَعُودَ إلَيْهَا فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى وَلَكِنْ لَا يُصَدَّقُ في الْحُكْمِ ا هـ[80]

المرأۃ کالقاضی کا تذکرہ قدیم کتابوں میں موجود ہے

اس ضابطہ کا تذکرہ جزئیہ کی شکل میں ہمارے پاس معلوم اور میسر کتابوں میں سب سے پہلے مبسوط سرخسی میں ملتا ہے، جو پانچویں صدی کے بزرگ ہیں، اور

---

[80]- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج 3 ص279زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت-

انتہائی متقدمین احناف میں سے ہیں، امام سرخسیؒ (متوفی ۴۸۳ھ)نے چار پانچ مقامات پر اس ضابطہ کا ذکر کیا ہے اور عورت کو قاضی کے مانند قرار دیا ہے:

وَلَوْ قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ وَطَالِقٌ أَوْ طَالِقٌ فَطَالِقٌ أَوْ طَالِقٌ طَالِقٌ كَانَ تَطْلِيقَتَيْنِ فَكَذَلِكَ هُنَا فِي الْقَضَاءِ وَلَوْ قَالَ اعْتَدِّي اعْتَدِّي اعْتَدِّي ، وَهُوَ يَنْوِي تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً بِهِنَّ جَمِيعًا فَهُوَ كَذَلِكَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى فَأَمَّا فِي الْقَضَاءِ فَهُوَ ثَلَاثٌ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّ كُلَّ كَلَامٍ إيقَاعٌ مُبْتَدَأٌ فِي الظَّاهِرِ ، وَالْقَاضِي مَأْمُورٌ بِاتِّبَاعِ الظَّاهِرِ وَلَكِنْ يُحْتَمَلُ تَكْرَارُ الْأَوَّلِ وَاَللَّهُ تَعَالَى مُطَّلِعٌ عَلَى ضَمِيرِهِ فَيُدَيَّنُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى.وَلَا يَسَعُ الْمَرْأَةَ إذَا سَمِعَتْ ذَلِكَ أَنْ تُقِيمَ مَعَهُ لِأَنَّهَا مَأْمُورَةٌ بِاتِّبَاعِ الظَّاهِرِ كَالْقَاضِي[81]

★وَكُلُّ مَا لَا يُدَيِّنُهُ الْقَاضِي فِيهِ فَكَذَلِكَ الْمَرْأَةُ إذَا سَمِعَتْ مِنْهُ أَوْ شَهِدَ بِهِ شَاهِدَا عَدْلٍ لَا يَسَعُهَا أَنْ تُدَيِّنَ الزَّوْجَ فِيهِ لِأَنَّهَا لَا تَعْرِفُ مِنْهُ إلَّا الظَّاهِرَ كَالْقَاضِي[82]

★وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُرَادُهُ أَنَّ فُلَانَةَ طَالِقٌ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى سَبِيلِ الْحِكَايَةِ ، أَوْ عَلَى سَبِيلِ الْإِيقَاعِ فَيَكُونُ مَوْقُوفًا عَلَى إجَازَةِ الزَّوْجِ ، وَلَا يَسَعُ امْرَأَتَهُ أَنْ تُقِيمَ مَعَهُ ؛ لِأَنَّهَا مَأْمُورَةٌ بِاتِّبَاعِ الظَّاهِرِ كَالْقَاضِي[83]

---

[81]- المبسوط للسرخسي ج 6 ص 142 دراسة وتحقيق:خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م
المؤلف : محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى : 483هـ)

[82]-حوالہ بالا ج 7ص 342 ۔

★لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى عَالِمٌ بِمَا فِي سِرِّهِ إلَّا أَنَّهُ لَا يَسَعُ الْمَرْأَةَ أَنْ تُقِيمَ مَعَهُ ؛ لِأَنَّهَا لَا تَعْرِفُ مِنْهُ إلَّا الظَّاهِرَ كَالْقَاضِي[84]

اس لحاظ سے یہ متقدمین کا قول ہے لیکن اگر اس زاویہ سے نظر ڈالیں جیساکہ خود امام سرخسیؒ نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ان کی کتاب المبسوط دراصل حاکم شہید ابوالفضل محمد بن احمد المروزیؒ (متوفی ۳۳۴ھ) کی کتاب "المختصر" کی شرح ہے ،اور المختصر حضرت امام محمدؒ کی کتابوں کا مجموعہ (انسائیکلوپیڈیا)ہے ،جس میں مکررات حذف کردیئے گئے ہیں،ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

رأى الحاكم الشهيد أبو الفضل محمد بن أحمد المروزي رحمه الله إعراضا من بعض المتعلمين عن قراءة المبسوط لبسط في الألفاظ وتكرار في المسائل فرأى الصواب في تأليف المختصر بذكر معاني كتب محمد بن الحسن رحمه الله المبسوطة فيه وحذف المكرر من مسائلة ترغيبا للمقتبسين، ونعم ما صنع.

قال الشيخ الإمام رحمه الله تعالى: ثم إني رأيت في زماني بعض الإعراض عن الفقه من الطالبين لأسباب فمنها قصور الهمم لبعضهم حتى اكتفوا بالخلافيات من المسائل الطوال ومنها ترك النصيحة من بعض المدرسين بالتطويل عليهم بالنكات الطردية التي لا فقه تحتها

---

83 - المبسوط ج 7 ص 482-

84-حوالہ بالا : ج6 ص 309 -

ومنها تطويل بعض المتكلمين بذكر ألفاظ الفلاسفة في شرح معاني الفقه وخلط حدود كلامهم بها فرأيت الصواب في تأليف شرح المختصر لا أزيد على المعنى المؤثر في بيان كل مسألة اكتفاء بما هو المعتمد في كل باب[85]،

اس لحاظ سے اس ضابطہ کا سر رشتہ فی الجملہ حضرت امام محمدؒ کی کتابوں سے جاملتاہے، سرخسیؒ کا ایک سے زائد جگہوں پر اس ضابطہ کا تذکرہ کرنا بھی اس بات کی علامت ہے کہ یہ امام سرخسیؒ کا خانہ زاد نہیں بلکہ سلف سے منقول ہو کر آیاہے۔

نصوص شرعیہ میں اس ضابطہ کی بنیاد

نصوص شرعیہ میں اس کی کئی بنیادیں تلاش کی جاسکتی ہیں، لیکن وقت کی قلت اور صفحات کی تنگ دامانی کی بناپر صرف ایک حدیث کا تذکرہ کیا جاتاہے، جس میں اس تصور کی جھلک موجود ہے، حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(إنما أنا بشر وإنه يأتيني الخصم فلعل بعضكم أن يكون أبلغ من بعض فأحسب أنه صدق فأقضي له بذلك فمن قضيت له بحق

---

[85]- المبسوط للسرخسي ج ص 5 تأليف:شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق: خليل محي الدين الميس الناشر:دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م

مسلم فإنما هي قطعة من النار فليأخذها أو فليتركها)[86]

ترجمہ: میں ایک بشر ہوں میرے پاس مقدمات آتے ہیں، تو شاید تم میں کچھ لوگ زیادہ چرب زبان ہوں، اور میں اس کو سچا سمجھ بیٹھوں، اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، لیکن اگر میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کر دوں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے، چاہے اسے لے لے یا چھوڑ دے۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی وحاکم صرف ظاہر کا پابند ہوتا ہے ۔۔۔۔اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر صاحب معاملہ ذاتی طور پر اصل حقیقت سے واقف ہے تو فیصلہ کے باوجود حقیقت تبدیل نہیں ہو گی اور وہ چیز اس کے لئے حلال نہیں ہو گی، "المرأ ۃ کالقاضی" کے تصور کی بنیاد بھی یہی ہے، بلکہ یہ اس حدیث کے مفہوم عام کا صرف ایک حصہ ہے۔

تکرار طلاق کے وقت اگر کوئی نیت نہ ہو

(۸) کبھی کبھی یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ الفاظ طلاق کے تکرار کی صورت میں جب طلاق دینے والے سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ دوسری اور تیسری بار بولے گئے الفاظ سے تمہاری نیت پہلے والی طلاق کو موکد کرنا تھا یا مزید دو طلاقیں

---

[86]- الجامع الصحيح المختصر ج 2 ص 867 حدیث نمبر : 2326 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

دینی تھیں تو وہ کہتا ہے کہ میری کوئی نیت نہیں تھی ،ایسی صورت میں کیا حکم ہو گااور کتنی طلاقیں پڑیں گی؟

کتب فقہ کی جزئیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں بھی تین طلاقیں واقع ہونگی،اس لئے کہ الفاظ صریح کا مقتضا یہی ہے،الفاظ صریح میں نیت کی حاجت نہیں ہے،بلانیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے،بلکہ سبقت لسانی میں الفاظ طلاق زبان سے نکل جائیں تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے،جیسا کہ اس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے:

قوله (كرر لفظ الطلاق) بأن قال للمدخولة أنت طالق أنت طالق أو قد طلقتك قد طلقتك أو أنت طالق قد طلقتك أو أنت طالق وأنت طالق وإذا قال أنت طالق ثم قيل له ما قلت فقال قد طلقتها أو قلت هي طالق فهي طالق واحدة لأنه جواب كذا في كافي الحاكم قوله (وإن نوى التأكيد دين) أي ووقع الكل قضاء وكذا إذا طلق أشباه أي بأن لم ينو استئنافا ولا تأكيدا لأن الأصل عدم التأكيد[87]

---

[87]- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج 3 ص 293 ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ - 2000م.
مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

خلاصۂ جوابات

نکاح میں اپنا رشتہ خود چننے کا اختیار

(ا) آج کل لڑکے اور لڑکیاں اپنی پسند کے رشتے کرنا چاہتے ہیں، ایک طرف بعض اوقات وہ والدین کی مرضی اور ان کے مشورہ کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں، دوسری طرف بعض والدین بچوں کے لئے ایسے رشتوں کا انتخاب کرتے ہیں، جو خود ان کے انتخاب کے بالکل بر خلاف ہوتے ہیں، اس سلسلے میں صحیح رویہ کیا ہے ؟کیا شرعاً رشتۂ نکاح کے معاملے میں لڑکے اور لڑکیوں کا ان کے والدین کی مرضی قبول کرنا واجب ہے ؟اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو کیا وہ گنہ گار ہونگے ؟

شرعی نقطۂ نظر سے لڑکا اور لڑکی جب بالغ ہو جائیں تو نکاح کے باب میں وہ اپنی پسند کے خود مالک ہیں، والدین یا افراد خاندان ان پر اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتے، (والدین کی مرضی مسلط کرنے کو فقہ کی اصطلاح میں ولایت اجبار کہتے ہیں)جب کہ بالغ اولاد اپنی مرضی سے کہیں بھی شادی کر سکتی ہے، خواہ والدین یا دیگر افراد خاندان اس رشتے سے راضی ہوں یا نہ ہوں،

بالغ لڑکوں کے بارے میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، بالغ لڑکیوں کے بارے میں البتہ اختلاف ہے، لیکن فقہاء حنفیہ بالغ لڑکیوں کو بھی یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ خود اپنی پسند سے جہاں چاہیں نکاح کر سکتی ہیں۔

لڑکا اور لڑکی اگر اپنی پسند کی شادی کرنا چاہیں تو خاندان والوں کی طرف سے شادی سے پہلے یا شادی کے بعد کسی قسم کی امتناعی کاروائی کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

البتہ بالغ لڑکیوں کے معاملے میں مستحب یہ ہے کہ رشتۂ نکاح کا یہ پورا عمل والدین اور خاندان کے مشورے سے اور ان کے زیر انتظام انجام پائے:

خاندان کے لوگوں کو صرف دو صورتوں میں اس نکاح پر اعتراض (آبجیکشن) کا حق حاصل ہو گا، اور اس کو عدالت کے ذریعہ رد کرانے کا اختیار ہو گا ،(1) لڑکا یا لڑکی نابالغ ہوں۔

(۲) یا لڑکی بالغ ہو لیکن غیر کفو میں وہ نکاح کر لے ،یعنی اگر لڑکی اپنے معیار کے یا اپنے سے بہتر خاندان میں شادی کرے تو اہل خاندان اس کو رد کرنے کے مجاز نہ ہونگے۔

لیکن قانونی اعتبار سے بالغ لڑکے آزاد ہیں، وہ خواہ کسی بھی خاندان میں اپنا نکاح کر لیں، کفو ہو یا نہ ہو، اولیاء خاندان اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار نہیں رکھتے، اس لئے کہ کفاءت کا اعتبار صرف لڑکی کی جہت میں ہے، کہ وہی فراش بنتی ہے۔

البتہ خاندانی احترام واستحکام اور معاشرتی تمدن کی بنیاد پر لڑکوں کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ وہ والدین کے مشورے سے ہی رشتۂ نکاح کا انتخاب

کریں، فقہاء نے لکھا ہے کہ بالغ لڑکوں کو ایسے جائز امور میں والدین سے مشورہ کرنا چاہئے، جن مین ان کو نظر انداز کرنا باعث رنج ہو، ماں باپ کا اولاد پر یہ حق بنتا ہے:

بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کرنا درست نہیں

(۲) طلاق کے واقعات میں بہت سی دفعہ والدین کا اصرار بھی شامل ہوتا ہے، تو کیا ماں باپ کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ بہو کو ناپسند

کرنے کی وجہ سے بیٹے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے؟ اور کیا بیٹے پر اپنے ماں باپ کی اس بات کو ماننا ضروری ہے؟

پسند و ناپسند ایک اضافی چیز ہے، کسی کو ایک چیز پسند نہیں ہے تو ضروری نہیں کہ دوسرے کو بھی وہ پسند نہ ہو، علاوہ ازیں ہر شخص میں کچھ خوبیاں اور کچھ خامیاں ہوتی ہیں، خاص طور سے عورتیں کہ ان کی کجی میں بھی حسن ہے۔

اس لئے محض کسی کی پسند یا ناپسند شریعت میں معیار نہیں ہے، دیکھنا یہ چاہئے کہ بہو کو ناپسند کرنے کی وجہ کیا ہے؟

اس حدیث کی رو سے شرعی طور پر مال و دولت، حسب و نسب یا حسن و جمال کوئی حقیقی معیار نہیں ہیں، حقیقی معیار دینداری و شرافت ہے، اگر والدین مذکورہ بالا تین اسباب کی کمی کی وجہ سے بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور کرتے ہیں، تو یہ خلاف شرع اور صریح ظلم ہے، اس کی تعمیل ہرگز ضروری نہیں،

لیکن دینی کمی کی بنیاد پر بھی طلاق دینا واجب نہیں ہے، البتہ بے دینی کی

وجہ سے حقوق زوجیت کی ادائیگی اور حدود الٰہی کے تحفظ میں رخنہ پڑ جائے ،اور افہام و تفہیم اور صلح و مصالحت کے راستے بند ہو جائیں تو طلاق دینے کی اجازت ہے۔

اس کے علاوہ عام حالات میں والدین اپنے بیٹے کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کرسکتے ہیں ،اورنہ ان کا حکم واجب التعمیل ہو گا ،زیادہ سے زیادہ باپ اگر متشرع ،معتدل المزاج اورصاحب علم ودانش ہو تو اس کی تعمیل مستحب ہو گی۔۔۔۔۔

رہ گئی والدہ تووہ اس دائرہ ہی سے خارج ہے ،اس لئے کہ عورتیں ناقص العقل اور جذباتی ہوتی ہیں،اسی لئے شریعت نے اپنے طلاق کے معاملے میں بھی ان کو بااختیار نہیں بنایاہے ،پھر کسی دوسری عورت کی طلاق میں وہ صاحب اختیار کیونکر ہو سکتی ہیں۔

غیر اسلامی عدالتوں سے مطلقہ کے نفقہ کا فیصلہ

(۳)اس وقت عدالتوں سے مطلقہ کے لئے نفقہ کا فیصلہ ہورہاہے ،ظاہر ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے صرف عدت ہی کا نفقہ سابق شوہر پر واجب ہوتا ہے ،

(الف)تو کیا مطلقہ کے لئے بعد از عدت نفقہ کے لئے عدالت سے رجوع کرنا شرعاً درست ہے؟

(ب)اور اگر کسی مسلمان عورت کے حق میں عدالت کی طرف سے اس طرح کا فیصلہ ہو جائے تو عورت کے لئے سابق شوہر کی طرف سے ہدیہ یا گورنمنٹ کی طرف سے اعانت سمجھ کر عدالت کی مقرر کردہ رقم قبول کرنے کی گنجائش ہو گی ؟

(ج)اور کیا اس سلسلے میں بے سہارا مطلقہ اور اس مطلقہ کے حق میں کوئی فرق ہو گا جس کے نفقہ کا انتظام اس کے خاندان کے لوگ کر رہے ہوں؟

شرعی مسائل میں غیر اسلامی عدالت سے رجوع کرنا جائز نہیں

(الف)شرعی مسائل میں مسلمانوں کا غیر اسلامی عدالت سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، یہ قرآن کریم کی صریح خلاف ورزی اور نفاق وطغیان کے مترادف ہے،

اسلامی قانون کے خلاف کوئی فیصلہ قابل قبول نہیں

(ب)اگر غیر شرعی عدالت اسلامی قانون کے خلاف کوئی فیصلہ کر بھی دے تو مسلمانوں کے حق میں وہ فیصلہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے اور نہ کسی تاویل سے اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے،اس لئے کہ یہ کفر کو اسلام پر ترجیح دینے کے مترادف ہو گا۔

اسلام نے شوہروں پر مطلقہ عورتوں کے لئے صرف عدت کا نفقہ واجب کیا ہے،عدت کے بعد شوہر بالکل اجنبی ہو جاتا ہے،اس کا عورت سے کوئی رشتہ باقی نہیں رہتا،اس لئے عدت کے بعد بھی اس سے نفقہ وصول کرنا،یا اس کی خاطر

غیر شرعی عدالتوں کی جانب رخ کرنا ظلم بھی ہے اور بے حیائی بھی، عدت کے بعد عورت کا مرد پر کوئی حق باقی نہیں رہ جاتا، اور بغیر حق کے کسی سے کچھ وصول کرنا ظلم ہے،

نیز کسی غیر مرد سے اپنا خرچہ وصول کرنا بے حیائی بھی ہے اور نسوانی غیرت کے بھی خلاف ہے۔۔

اس لئے غیر اسلامی عدالتیں عورت یا اس کے اہل خاندان کے مطالبہ پر بعد عدت نفقہ کا فیصلہ کر بھی دیں تو عورت کے لئے مرد سے نفقہ وصول کرنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ ظلم ہے اور ظلم کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

اس کو ہدیہ قرار دیا جانا ممکن نہیں اور نہ حکومتی امداد،۔۔۔کیونکہ ہدیہ زبردستی وصول نہیں کیا جاتا، اس کے لئے رضامندی اور طیب نفس ضروری ہے ، حکومت کے فیصلہ پر مجبور ہو کر مرد نفقہ دینا منظور بھی کرلے تو یہ اس کی مجبوری ہوگی، جبر اور طیب نفس میں بہت فرق ہے، اسلام میں طیب نفس کے بغیر کسی کا مال لینا حلال نہیں ہے:

حکومتی امداد بھی اس کو نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ حکومت اس طرح کی مصیبت زدہ خواتین کی امداد کرنا چاہے تو اپنے فنڈ سے کرسکتی ہے ، دوسرے کی جبری رقم کو حکومت کی مدد کے خانے میں شمار کرنا صحیح نہیں۔

(ج) اس باب میں بے سہارا مطلقہ اور باسہارا مطلقہ کے درمیان فرق

کرنا بھی درست نہیں، اس لئے کہ محتاج کے لئے مانگ کر کسی کا مال لینا تو درست ہے لیکن ظلم کے ساتھ درست نہیں، نفقہ سے متعلق شرعی قانون جانتے بوجھتے غیر اسلامی عدالت کی طرف رخ کرنا صریح ظلم ہے۔۔۔

مطلقہ عورت کے نکاح ثانی کی ذمہ داری

(۴) اگر کسی عورت کو طلاق ہوگئی ہو تو اس کا دوسرا نکاح کرانے کی ذمہ داری کن لوگوں پر ہوگی؟ کیونکہ یوں تو نکاح میں کسی بڑے خرچ کی ضرورت نہیں ہے، لیکن معاشرے کی بگاڑ کی وجہ سے عملی صورت حال یہ ہے کہ کثیر اخراجات کے بغیر لڑکیوں کی شادی نہیں ہوپاتی، چہ جائے کہ ایک مطلقہ عورت کی۔

یہ ذمہ داری درجہ بدرجہ عورت کے ورثہ کی ہے، جس ترتیب سے اس کے رشتہ دار اور اہل خاندان اس کی جائیداد میں وراثت کے حقدار ہوتے ہیں، اسی ترتیب سے ان ورثہ کو عورت کے نفقہ اور شادی کے اخراجات بھی اٹھانے ہونگے۔

اگر کوئی نہیں ہے تو یہ حکومت وقت کی ذمہ داری ہے،

مطلقہ عورت کی معاشی کفالت کا مسئلہ

(۵) بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ طلاق کے بعد عورت اپنی معاشی ضروریات کے لئے مجبور ہوجاتی ہے، پھر اسے ہی اپنے بچوں کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے ،اس لئے اس کی وضاحت کی جائے کہ مطلقہ عورتوں کا نفقہ کن رشتہ داروں پر واجب ہوگا؟ اور اگر وہ نفقہ ادا نہیں کررہاہے، تو اب اس کی گذر اوقات کی کیا

صورت ہو گی؟

نکاح ثانی بہت سے مسائل کا حل ہے

(الف)شریعت اسلامی میں اس کا حل موجود ہے،مطلقہ عورت عدت تک اپنے شوہر سے نفقہ وصول کرے گی،عدت ختم ہونے کے بعد اگر اس کو کوئی مناسب رشتہ مل جائے تو شریعت ترجیحی طور پر اس کو نکاح ثانی کی تلقین کرتی ہے، نکاح ثانی اسلام میں بہت سے مسائل کا حل ہے۔

مطلقہ بیٹی کا نفقہ باپ کے ذمہ ہے

اگر کوئی مناسب رشتہ نہ ملے اور والد زندہ اور صاحب استطاعت ہو تو والد پر یہ ذمہ داری لوٹ آتی ہے، جو اس کا اور اس کے نابالغ بچوں کا خرچ اٹھائے،بیٹی شادی کے بعد گھر بیٹھ جائے تو اس کا خرچ اٹھانا بار نہیں بلکہ حدیث کی روشنی میں باعث خیر وبرکت ہے:

اگر خود اولاد بالغ اور کمانے والی ہو تو ماں کا خرچ اٹھانا اس کی ذمہ داری ہے

اگر باپ زندہ یا اس لائق نہ ہو اور اولاد بھی چھوٹی ہو تو بھائی پر اس کا نفقہ عائد ہو گا،بھائی نہ ہو تو چچا پھر ماموں اور دیگر قریب تر رشتہ داروں کو درجہ بدرجہ یہ بار اٹھانا ہو گا۔

بوقت ضرورت عورتوں کے لئے ملازمت کرنا جائز ہے

اگر کوئی موجود نہ ہو تو شریفانہ باپردہ ملازمت کی کہیں کوشش کرے کہ ضرورت

مند عورتوں کو (جن کو اندرون خانہ معاش کا انتظام نہ ہو) شریعت نے خود کمانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے۔

شرعاً کن حالات میں طلاق دینا جائز ہے؟

(٦) شرعاً کن حالات میں کس عورت کو طلاق دینا جائز ہے؟ خاص کر ہندوستان کے پس منظر میں اس کی وضاحت فرمائیں، کیونکہ اسلامی تعلیمات سے دوری، لڑکیوں کا رشتہ حاصل کرنے میں مشکلات، شادی کی گراں باری، شرعی طریقے پر نزاعات کے حل کرنے والے اداروں کی قوت تنفیذ سے محرومی اور مطلقہ عورتوں کی بے سہارا زندگی کی وجہ سے فتنہ کے اندیشوں نے یہاں کے حالات کو قدیم مسلم معاشرہ اور عرب ممالک کے حالات سے بہت مختلف بنا دیا ہے۔

بے ضرورت طلاق دینا جرم ہے

طلاق عام حالات میں ایک ناپسندیدہ چیز ہے، اس لئے کہ اس سے رشتے ٹوٹتے ہیں، خاندانی فساد پیدا ہوتا ہے، نکاح کے مصالح اور اجتماعی مفادات متاثر ہوتے ہیں، اولاد کی تعلیم وتربیت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی لئے جب تک کہ نباہ کی صورت ناممکن نہ ہو جائے، عورت کی کمیوں اور خامیوں کے باوجود اس کو طلاق دینے کی ممانعت آئی ہے،

ناگزیر حالات میں طلاق ایک سماجی ضرورت ہے

معمول کے حالات میں طلاق دینا جرم ہے، لیکن ناگزیر حالات میں ایک سماجی

ضرورت بھی ہے،ازدواجی ناخوشگوار حالات میں دشواریوں کے ایک حل کے طور پراس کو قبول کیا گیا ہے،یعنی جب مرد کا عورت کے ساتھ ایک چھت کے نیچے زندگی گذارنا مشکل ہو جائے،اور باہمی موافقت کی کوئی صورت باقی نہ رہے، بالفاظ دیگر مرد وعورت دونوں کے لئے زندگی عذاب ہو جائے تو اس سے خلاصی کے لئے طلاق سے بہتر کوئی راستہ موجود نہیں ہے،۔۔۔۔۔

طلاق ہر زمان ومکان کے لئے ایک شرعی حل ہے

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق ازدواجی زندگی میں رونما ہونے والے نزاعات واختلافات اور مسائل ومشکلات کا ایک شرعی حل

ہے،اور کسی بھی حل کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب ایسے حالات پیدا ہوں،اگر ایسے حالات پیدا نہ ہوں تو خواہ انسان کسی بھی زمان ومکان میں رہے اس کی نہ ضرورت ہے اور نہ اجازت ہے۔

لیکن اگر ازدواجی زندگی میں یہ ناگفتہ بہ حالات پیدا ہو گئے،تو علٰحدگی اور ازدواجی رشتے کے خاتمہ کے لئے کسی بھی نظام تمدن کے پاس طلاق سے آسان کوئی نسخہ موجود نہیں ہے خواہ انسان دنیا کے کسی حصے میں ہو،۔۔۔۔۔۔

تین طلاق دینے کی صورتیں

(۷) تین طلاق کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ تین کے عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دی جائے،اس سلسلے میں جمہور کا نقطۂ نظر یہ ہے، کہ

تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی، دوسری صورت یہ ہے کہ لفظ طلاق یا جملۂ طلاق کی تکرار ہو، اس صورت میں مرد اگر اقرار کرتا ہے کہ وہ تین طلاق ہی دینا چاہتا تھا ،تب تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی،

(الف) لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ میرا مقصد ایک ہی طلاق دینا ہے، دوسری اور تیسری بار میں نے تاکیداً کہا ہے، یا میں نے سمجھا تھا کہ تین بار کہنے سے ہی طلاق واقع ہوتی ہے، مگر میرا ارادہ تین طلاق دینے کا نہیں تھا، تو اس صورت میں بعض فقہاء کے یہاں مطلقاً اس کی نیت کا اعتبار ہو گا، اور احناف کے یہاں قول دیانت اور قول قضا کا فرق کیا گیا ہے، فی الحال بعض اہل افتا قول دیانت پر فتویٰ دیتے ہیں اور بعض قول قضا پر، اس مسئلہ میں کون سا نقطۂ نظر زیادہ درست ہے؟

(ب) اس سلسلے میں فقہاء کا ایک قول "المرأۃ کالقاضی" بھی پیش کیا جاتا ہے ، نصوص شرعیہ میں اس کی کیا بنیاد ہے ؟ کیا یہ صاحب مذہب اور ان کے اصحاب کا قول ہے؟ یا متقدمین کا؟ یا متأخرین کا؟ اور اس ضابطۂ فقہیہ کا منشا کیا ہے؟

فی زمانہ حنفیہ کا قول قضا زیادہ لائق ترجیح ہے—وجوہ ترجیح

(الف) الفاظ طلاق کی تکرار کی صورت میں جب کہ شوہر نے عدد کی صراحت نہ کی ہو، قول قضا یہ ہے کہ تین طلاق واقع ہو گی، اور قول دیانت یہ ہے کہ قسم کے ساتھ اس کی نیت کا اعتبار ہو گا، دونوں اقوال کی اپنی اپنی بنیادیں ہیں، اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ پر درست ہیں، لیکن فی زمانہ قول دیانت کے بجائے قول قضا پر فتویٰ دینا

زیادہ درست ہے،

"المرأۃ کالقاضی" کا مفہوم

اسی طرح عورت بھی اگر خود الفاظ طلاق اپنے کان سے سن لے یا کسی معتبر شاہد نے اس کے سامنے اس کی شہادت دی تو اس کو حق ہو گا کہ شوہر کے دعویٰ کو مسترد کر دے، اور اس کی نیت پر اعتبار نہ کرے، اور بظاہر بیوی رہ کر بھی اس کو اپنے اوپر قابو نہ دے، (بلکہ اس صورت میں روکنا واجب ہو گا،) شوہر سے نجات پانے کے لئے وہ کوئی بھی جائز تدبیر (قتل وخود کشی وغیرہ کے علاوہ) اختیار کر سکتی ہے، شوہر کو دوبارہ نکاح کرنے پر مجبور کر سکتی ہے، عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتی ہے، اور کوئی صورت کامیاب نہ ہو تو شوہر کے گھر سے فرار بھی ہو سکتی ہے، اس پر اسے کوئی گناہ نہ ہو گا،۔۔۔اور اگر وہ شوہر سے اپنے آپ کو نہ بچا سکی تو شوہر گناہ گار ہو گا، عورت نہیں،۔۔۔۔

"المرأۃ کالقاضی" کا حاصل یہی ہے، اور ہماری اکثر کتب فقہیہ میں اسی پس منظر میں اس ضابطہ کو نقل کیا گیا ہے۔

المرأۃ کالقاضی کا تذکرہ قدیم کتابوں میں موجود ہے

اس ضابطہ کا تذکرہ جزئیہ کی شکل میں ہمارے پاس معلوم اور میسر کتابوں میں سب سے پہلے مبسوط سرخسی میں ملتا ہے، جو پانچویں صدی کے بزرگ ہیں، اور انتہائی متقدمین احناف میں سے ہیں، امام سرخسیؒ (متوفی ۴۸۳ھ) نے چار پانچ مقامات پر

اس ضابطہ کا ذکر کیا ہے اور عورت کو قاضی کے مانند قرار دیا ہے۔

اس لحاظ سے یہ متقدمین کا قول ہے لیکن اگر اس زاویہ سے نظر ڈالیں جیسا کہ خود امام سرخسیؒ نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ان کی کتاب المبسوط دراصل حاکم شہید ابوالفضل محمد بن احمد المروزیؒ (متوفی ۳۰۲ھ) کی کتاب "المختصر" کی شرح ہے ،اور المختصر حضرت امام محمدؒ کی کتابوں کا مجموعہ (انسائیکلوپیڈیا) ہے، جس میں مکررات حذف کر دیئے گئے ہیں۔

اس لحاظ سے اس ضابطہ کا سر رشتہ فی الجملہ حضرت امام محمدؒ کی کتابوں سے جا ملتا ہے، سرخسیؒ کا ایک سے زائد جگہوں پر اس ضابطہ کا تذکرہ کرنا بھی اس بات کی علامت ہے کہ یہ امام سرخسیؒ کا خانہ زاد نہیں بلکہ سلف سے منقول ہو کر آیا ہے۔

نصوص شرعیہ میں اس ضابطہ کی بنیاد

نصوص شرعیہ میں اس کی کئی بنیادیں تلاش کی جا سکتی ہیں، لیکن وقت کی قلت اور صفحات کی تنگ دامانی کی بنا پر صرف ایک حدیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے، جس میں اس تصور کی جھلک موجود ہے، حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: میں ایک بشر ہوں میرے پاس مقدمات آتے ہیں، تو شاید تم میں کچھ لوگ زیادہ چرب زبان ہوں ،اور میں اس کو سچا سمجھ بیٹھوں ، اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، لیکن اگر میں کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کر دوں تو سمجھنا چاہئے

کہ وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے، چاہے اسے لے لے یا چھوڑ دے۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی وحاکم صرف ظاہر کا پابند ہوتا ہے ،۔۔۔۔اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر صاحب معاملہ ذاتی طور پر اصل حقیقت سے واقف ہے تو فیصلہ کے باوجود حقیقت تبدیل نہیں ہوگی اور وہ چیز اس کے لئے حلال نہیں ہوگی،"المرأ ۃ کالقاضی" کے تصور کی بنیاد بھی یہی ہے، بلکہ یہ اس حدیث کے مفہوم عام کا صرف ایک حصہ ہے۔

تکرار طلاق کے وقت اگر کوئی نیت نہ ہو

(۸) کبھی کبھی یہ صورت بھی پیش آتی ہے کہ الفاظ طلاق کے تکرار کی صورت میں جب طلاق دینے والے سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ دوسری اور تیسری بار بولے گئے الفاظ سے تمہاری نیت پہلے والی طلاق کو موکد کرنا تھا یا مزید دو طلاقیں دینی تھیں تو وہ کہتا ہے کہ میری کوئی نیت نہیں تھی ،ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا اور کتنی طلاقیں پڑیں گی؟

کتب فقہ کی جزئیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں بھی تین طلاقیں واقع ہونگی، اس لئے کہ الفاظ صریح کا مقتضا یہی ہے۔

اختر امام عادل قاسمی

خادم جامعہ ربانی منورواشریف

۱۱ / محرم الحرام ۱۴۳۹ھ